Monthly AWAMI JAMHURIAT
عوامی جمہوریت
ماہنامہ اپریل/مئی 2018

☆
اشاعت کا
50واں سال

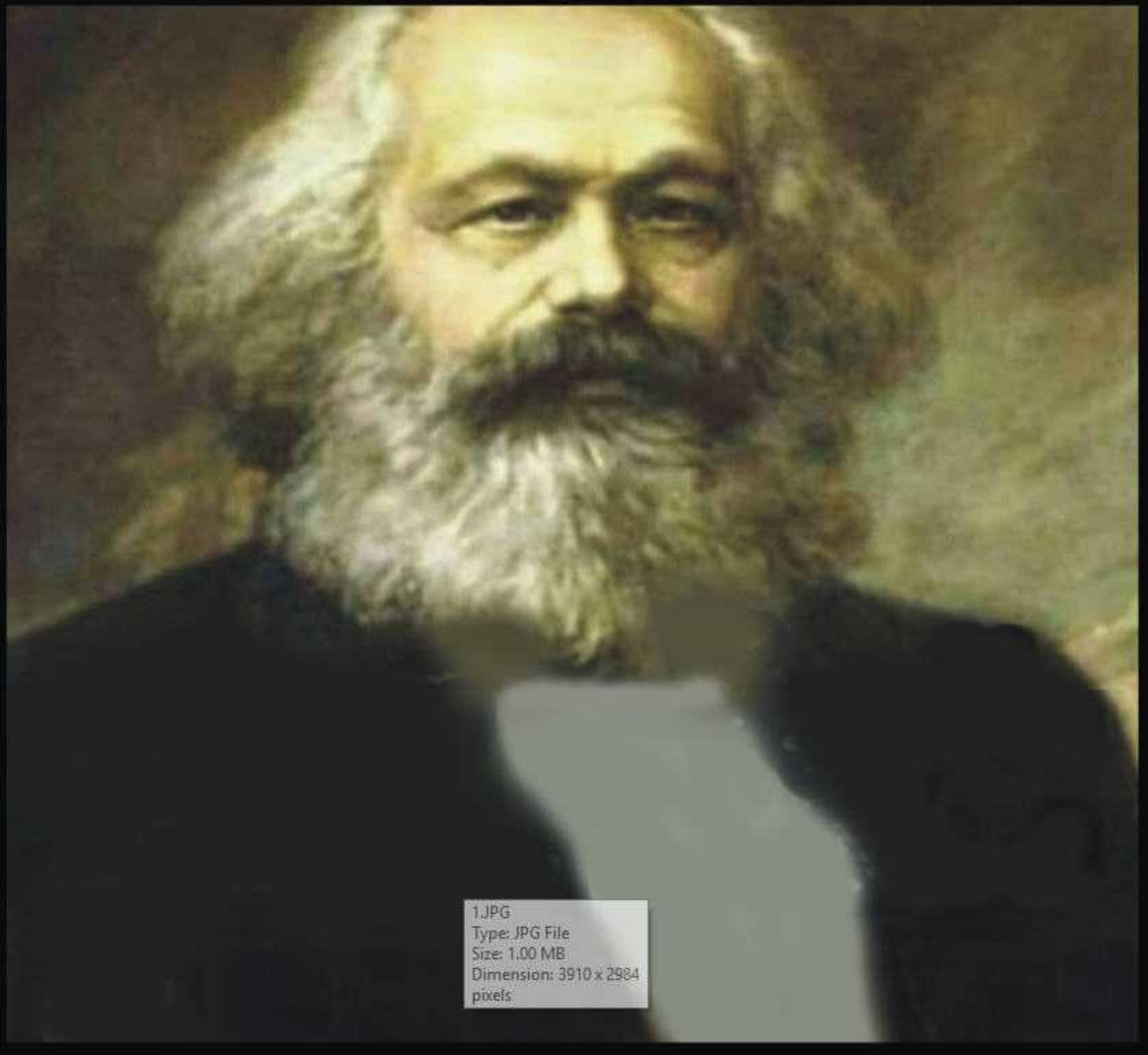

وہ کلیمِ بے تجلی وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

عوامی ورکرز پارٹی اور پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیرِ اہتمام کراچی میں ایک مشترکہ ریلی کا انعقاد

عوامی ورکرز پارٹی ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے زیرِ اہتمام یوم مئی پر ایک ریلی کا انعقاد

عوامی ورکرز پارٹی ضلع ملتان کے زیرِ اہتمام یوم مئی پر ایک ریلی کا انعقاد

کراچی میں یوم مئی کی ریلی سے AWP اور PTUF کے رہنماؤں کا خطاب

الائنس آف پروگریسو کینیڈین کے زیرِ اہتمام کارل مارکس کی دوسویں برسی پر ایک تقریب سے کامریڈ صالحہ اطہر کا خطاب

MONTHLAY
AWAMI JAMHURIAT
LAHORE

ماہنامہ
عوامی جمہوریت
لاہور

شمارہ نمبر۔3
جلد نمبر۔14
CPL No
279
اپریل/مئی 2018
قیمت: 30روپے

ایڈیٹر
اختر حسین
مجلس ادارت
عابد حسن منٹو
مسلم شمیم، صباالدین صبا، توقیر چغتائی
اثر امام، عابد شکیل فاروقی
مینجنگ ایڈیٹر
اے آر عارف
سرکولیشن منیجر
اشتیاق اعظمی

لاہور آفس 5 میکلوڈ روڈ لاہور، پاکستان

اداریہ		1
اکیسویں صدی میں......	مسلم شمیم	3
خساروں اور قرضوں کا بوجھ......	نجم الحسن عطا	12
مشرق وسطی کا بحران......	ڈاکٹر ریاض شیخ	15
راج سنگھاسن ڈانواڈول	صباالدین صبا	18
انتخابات کا روڈ میپ	ڈاکٹر توصیف احمد	20
تاریخ میں فرد کا رول	سی آر اسلم	22
رسالہ عوامی جمہوریت	شاہ محمد مری	23
نظم ''نیا حکم نامہ''	جاوید اختر	26
ٹریڈ یونین تحریک	عابد شکیل فاروقی	27
آہ عاصمہ جہانگیر	اکرام اللہ بیگ	28
ایک نظر......	عابد شکیل فاروقی	29

فون: 042-37353309-37357091
فیکس: 94-42-36361531
کراچی آفس: 201-204 پیورما سینٹر نمبر 1 فاطمہ جناح روڈ صدر کراچی
Email:awami.jamhuriat@gmail.com

اداریہ

کارل مارکس کی پیدائش کے دو سو سال

دنیا بھر کی کمیونسٹ اور ورکرز پارٹیوں نے جس طرح گزشتہ سال 2017ء کو اکتوبر سوویت سوشلسٹ انقلاب کی 100 سالہ اور کارل مارکس کی شہرۂ آفاق تصنیف ''داس کیپٹل'' کی اشاعت کے 150 سالہ تقریبات کے طور پر منایا اسی طرح 2018 کو کارل مارکس کا 200 سالہ یوم پیدائش کے طور پر منایا جا رہا ہے اور مارکس کی پیدائش کا جشن اور تقریبات منعقد کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ایک ایسے فلسفی ہیں جنہوں نے نہ صرف لکھا بلکہ عملی جدوجہد سے ثابت کیا اور کہا کہ ''اس سے پہلے کے فلسفیوں نے دنیا کی تعبیریں پیش کیں لیکن اصل کام تو دنیا کے بدلنے کا ہے۔'' مارکس نے اپنے اس نظریے پر عمل کرتے ہوئے ایک انقلابی کے طور پر مزدور طبقے کی تنظیم کاری میں پہل کی اور انقلابی تنظیموں کی بنیاد رکھی اور نظری و عملی طور پر مزدور طبقے کی بین الاقوامیت کو قائم کیا۔

مارکس 5 مئی 1818 کو جرمنی کے شہر تریر میں پیدا ہوئے' ان کے والد ایک وکیل اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے بون یونیورسٹی میں داخلہ لیا' برلن یونیورسٹی سے قانون کی تعلیم حاصل کی اور پھر تاریخ اور فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا اور فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ طالب علمی میں ہی ہیگل کے بائیں بازو کے حامیوں کے حلقوں میں شامل ہو گئے اور اسی سے سیکولرزم کے خیالات اور سماج میں تبدیلی کے انقلابی نتائج اخذ کیے انہوں نے پروفیسری کی بجائے اخبار کی ادارت شروع کی' اس پر پابندیوں کی وجہ سے پیرس آ گئے جہاں مارکس اور اینگلز نے انقلابی گروپوں میں بڑھ چڑھ کر کام کیا اور دونوں ایسے جگری دوست بن گئے کہ ایک دوسرے کے نام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پیرس میں پابندیوں کے بعد مارکس بلجیم چلے گئے اور ایک خفیہ پروپگنڈا سوسائٹی ''کمیونسٹ لیگ'' میں شمولیت اختیار کر لی۔ بلجیم کے شہر برسلز میں ہی انہوں نے کمیونسٹ مینی فیسٹو پر کام کرنا شروع کیا اور یوچرز گلڈ کے چوک کی بلڈنگ نمبر 8 میں تحریر کو مکمل کیا اور کمیونسٹ لیگ کی دوسری کانگریس میں منظور کرایا اور فروری 1848 میں پہلی دفعہ شائع کیا۔ فروری انقلاب شروع ہوا تو انہیں بلجیم سے بھی نکال دیا گیا پھر پیرس آئے یہاں سے بھی مارچ انقلاب کے بعد جرمنی جانے پر مجبور ہو گئے مگر انہیں مئی 1849 میں جرمنی سے بھی نکال دیا گیا اور وہاں سے لندن چلے گئے جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک رہے

مارکسزم کا فلسفہ' مادیت ایک ایسا فلسفہ ہے جو تمام مربوط، با اصول اور طبعی سائنس کی تمام تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے اور وہم پرستی کے خلاف ہے۔ جس نے عینیت پرستی کی ڈٹ کر مخالفت کی' انہوں نے جدلیات وارتقا کا نظریہ پیش کیا' تاریخی مادیت ان کی سائنسی فکر کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ان کی یہی سائنسی فکر ہمیں بتاتی ہے کہ پیداواری قوتوں کی ترقی کے نتیجے میں سماجی زندگی کے ایک ڈھانچے سے دوسرا زیادہ ترقی یافتہ ڈھانچہ تشکیل پاتا ہے' جیسا کہ جاگیرداری سے سرمایہ داری اور سرمایہ داری سے سوشلزم' جہاں بورژوا معیشت دانوں نے طلب و

رسد اور منافع کے اصول بتائے وہاں مارکس نے انسان کی محنت کی قوت یعنی اجرتی محنت اور قدرِ زائد کے نظریے کے اصول وضع کیے جن کی بنیاد پر سرمایہ داری ترقی پاتی ہے' سیاسی معاشیات کی تنقید پر انہوں نے اپنی کتاب 'سرمایہ' (Capital) 1867ء میں تحریر کر کے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا جو کتاب آج بھی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

مارکس نے نہ صرف تحقیقی اور فلسفیانہ کام کیا بلکہ انیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں لندن میں International working men association کی بنیاد رکھی جو پہلی انٹرنیشنل کے نام سے مشہور ہوئی۔ پیرس کمیون کی ناکامی اور بعد کے تجربات کی روشنی میں ہی مارکس اور اینگلز نے کمیونسٹ پارٹی کے مینی فیسٹو کے 1872ء کے جرمن ایڈیشن کے دیباچے میں لکھا کہ ''گزشتہ 25 برسوں میں حالات میں کتنی ہی تبدیلیاں ہوئی ہوں مگر جو عام اصول اس مینی فیسٹو میں بیان کیے گئے ہیں وہ بحیثیت مجموعی آج بھی درست ہیں' ان میں اصلاح کی کہیں کہیں گنجائش ہو سکتی ہے مگر ان بنیادی اصولوں کو عملی جامہ پہنانا جیسے کہ خود مینی فیسٹو میں کہا گیا ہے ہر جگہ اور ہمیشہ اس وقت کے تاریخی حالات پر منحصر ہے اور اس کے آخری باب میں جو عملی پروگرام دیا گیا ہے وہ اگر ہم آج لکھتے تو مختلف ہوتا کیونکہ گزشتہ 25 برسوں میں بے پناہ صنعتی' معاشی و تنظیمی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔'' یہ بیان کر کے مارکس اور اینگلز نے ہماری ذہن کی کھڑکیاں کھول دی ہیں کہ کس طرح طبقاتی جدوجہد کے بنیادی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ہم آج کی صنعتی و ٹیکنالوجیکل ترقی اور سماج کے ہر حصے میں پیداواری قوتوں اور ان کے درمیان رشتوں کے مدنظر' بنیادی سماجی تبدیلی کے پروگرام' تنظیم کے ڈھانچے اور اصول متعین کرتے ہوئے سوشلزم کی جدوجہد کو آگے بڑھائیں۔ پاکستان میں مارکسی نظریات پر یقین رکھنے والی سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کا فریضہ ہے کہ پاکستانی سماج کا مارکسی گہرائی سے مطالعہ کرتے ہوئے اپنی تنظیم کاری کریں اور مل کر جاگیری و بڑی زمینداری باقیات اور سرمایہ داری کے خلاف ایسا محاذ تشکیل دیں جو اشتراکی نظام کی راہ ہموار کر سکے مارکس کی سالگرہ پر ان کو یہی خراج عقیدت ہے۔

ملک میں عام انتخابات اور بایاں بازو

پاکستان میں 1973 کے آئین کے تحت دوسری دفعہ پارلیمنٹ نے اپنی پانچ سالہ مدت پوری کی ہے اور 25 جولائی 2018ء کے لیے آئندہ عام انتخابات کا اعلان ہو گیا ہے گو کہ اس عرصے میں سول۔ ملٹری کشمکش جاری رہی ہے (اس کشمکش پر الگ سے تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے) جس کی وجہ سے انتخابات پر سوالیہ نشان بنتے رہے اور سابقہ وزیر اعظم کے اعلان اور عبوری دور کے لیے وزیر اعظم کے حلف اٹھا لینے کے باوجود شکوک و شبہات موجود ہیں کہ انتخابات وقت پر ہوں گے یا نہیں۔ دراصل ملٹری اسٹبلشمنٹ کے مفادات ہماری زرعی' صنعتی و تجارتی معیشت میں اس قدر گہرے ہیں کہ وہ ملکی سیاست و حکمرانی کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتی ہے لہٰذا خواہ خارجہ پالیسی کے مسائل ہوں یا داخلہ یا زرعی' صنعتی و تجارتی پالیسی سب ہی پر ان کی بالادستی موجود ہے۔ دفاعی معاملات میں تو دوسرا کوئی بات ہی نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف ملک کی تمام پارلیمانی سیاسی پارٹیاں Status que کی پارٹیاں ہیں جن کے ایجنڈے پر ملک کی معیشت یا سیاست کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی نہیں ہے وہ تمام ملک میں جاگیری و قبائلی باقیات و بڑی زمینداریوں کو قائم رکھنا چاہتی ہیں کسی کے پروگرام میں بنیادی زرعی اصلاحات نہیں ہیں جن اصلاحات کے بغیر 60 فیصد دیہی آبادی کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ یہ تمام پارٹیاں سرمایہ داری نظام جس کو بین الاقوامی سامراجی پالیسیوں' ان کے اداروں' ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور ڈبلو ٹی او وغیرہ کی پشت پناہی حاصل ہے بلکہ انہی کی چھتری میں ترقی کر رہا ہے اور جس سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں محنت کش طبقے اور تمام محنت کار عوام کو زندگی کے بنیادی حقوق یعنی تعلیم' روزگار' صحت' علاج معالجہ اور رہنے کی چھت میسر نہیں ہو سکتی اسی نظام کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ اگر کہیں حکمران طبقات میں اختلاف ہے تو محض لوٹ مار کے طریقوں کا ہے یا کہیں ابھرتا ہوا سرمایہ دار یا تاجر طبقہ اپنی لوٹ مار اور سرمائے کی وسعت کے لیے پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات بڑھانا چاہتا ہے' تو ملٹری اسٹبلشمنٹ برداشت نہیں کرتی کیونکہ ان کی بقا و طاقت اسی دشمنی پر قائم ہے لیکن یہ سب کہیں کہیں تضادات کے باوجود ہمیشہ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں کیونکہ اسی میں ان کی اور ان کے اس نظام کی بقا ہے۔ ہم ان پارٹیوں سے نظری اختلافات کے باوجود چاہتے ہیں کہ عام انتخابات کا وقت پر شفاف و منصفانہ انعقاد ہو اور اس میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو تا کہ جمہوریت اور جمہوری ادارے مضبوط ہوں۔

دوسری طرف وہ جو بنیادی سماجی تبدیلی چاہتے ہیں یعنی اس ملک کا بایاں بازو یا ترقی پسند رجحانات کے قوم پرست عناصر وہ تنظیمی طور پر کمزور اور منتشر ہیں وہ عوامی سطح پر اثر انداز کرنے والی متبادل سیاست نہیں دے سکے ہیں ترقی پسندانہ تبدیلیوں کی خواہش رکھنے والے دانشور بھی محض دعا گو ہیں لیکن حالیہ دنوں کے چند اقدامات خوش آئند ہیں جن میں عوامی ورکرز پارٹی نے ملک کے بائیں بازو اور ترقی پسند قوم پرست پارٹیوں کو جمع کیا اور انہوں نے لیفٹ ڈیموکریٹک فرنٹ (L.D.F) قائم کرنے کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے۔ مجوزہ پروگرام و اعلان نامہ بھی 8 پارٹیوں نے منظور کر لیا ہے حتمی اعلان جولائی کے پہلے ہفتے میں متوقع ہے۔ امید ہے کہ فرنٹ ہمارے مستقبل کی سیاست کا رخ متعین کرے گا اور عوام کو متبادل سیاست دینے میں کامیاب ہو گا ہم یہ بھی امید کرتے ہیں کہ ملک کے باقی ماندہ چھوٹے بڑے گروپ اور ترقی پسند تنظیمیں اور افراد ان میں شامل ہو کر آئندہ سیاست اور حالیہ انتخابات میں متبادل نقطہ نظر پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کریں گے اور ان انتخابات میں فرنٹ یا اس میں شامل دیگر ترقی پسند خیالات کے امیدواروں کی حمایت کریں گے۔

اکیسویں صدی میں مارکسزم کی معنویت

مسلم شمیم

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام کو اشتراکیت (SOCIALISM) کی موت اور مارکسزم (MARXISM) کو معنویت سے عاری قرار دینے کی روایت شروع ہوئی تھی اور END OF HISTORY'' کے مصنف FUKO YAMA نے اِس باب میں قولِ فیصل صادر فرماتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) کو حرفِ آخر کا درجہ دے دیا تھا۔ سوویت یونین کا انہدام ساری دنیا کے مارکسی دانش وروں کے لیے لمحۂ فکریہ کا سبب بنا اور بہت سے اشتراکی اشتراکیت سے مایوس ہو کر اُس سے منحرف بھی ہو گئے۔ سوویت یونین کے انہدام پر ساری دنیا میں ۱۹۹۱ء کے بعد سے غور وخوض اور اِس انہدام کے عوامل وعناصر کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کو دوسرے سنگین بحران کا سامنا موجودہ صدی کے آغاز سے درپیش ہوا ہے۔ واضح رہے کہ بیسویں صدی میں ۱۹۲۹ء۔۱۹۳۳ء کے عرصۂ تاریخ کے DEPRESSION سے سرمایہ دارانہ نظام دوچار ہوا تھا۔ اب اِسے بارے دیگر وہی بحران درپیش ہے، لہٰذا اِس باب'' END OF HISTORY'' کے مصنف کے فرمودات کی کیا معنویت رہ گئی ہے، اِس پر کیا تبصرہ کیا جائے۔ مغربی میڈیا کی اطلاعات میں کارل مارکس کی تصنیفات خصوصیت کے ساتھ داس کیپٹل کے متعدد نئے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں اُس کے قارئین اُس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ امریکا اور یورپ کے متعدد ممالک نے اپنے دُکھوں کا فوری علاج ریاستی وسائل کو یعنی اشتراکی لائحہ عمل کو بروئے کار لا کر ڈھونڈنے کے اقدام کیے ہیں۔ جرمن چانسلر انجیلا مرکل نے ڈیواس (سوئٹزرلینڈ) میں منعقدہ عالمی اقتصادی فورم کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اگر حکومتیں یہ ثابت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہم دنیا کو ایک ایسا سوشل آرڈر دے سکتے ہیں جس میں اِس قسم کے سخت سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا کہ کیا واقعی کارل مارکس نے سچ کہا تھا کہ سرمایہ داری نظام انسان کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا باعث بنے گا''۔

سابق برطانوی وزیرِاعظم ٹونی بلیر کے تبصرے سے اِس صورتِ حال کی بھرپور انداز میں وضاحت ہوتی ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

''آپ کسی بھی ماہر سے پوچھیں کہ موجودہ معاشی بحران سے نکلنے کے لیے کیا کیا جائے۔ اُس کے پاس اِس سوال کا ایمان دارانہ جواب یہ ہوگا کہ مجھے معلوم نہیں''۔

فرانس کے صدر سرکوزی کارل مارکس سے زیادہ متاثر نظر آ رہے ہیں اور وہ بھی سرمایہ دارانہ نظام پر اپنے دھیمے لہجے میں تنقید کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے:

''میں سرمایہ دارانہ نظام کی تخلیقی قوت پر یقین رکھتا ہوں، لیکن میں اِس بات کا بھی قائل ہوں کہ یہ نظام ضابطۂ اخلاق، روحانی اقدار کے لیے احترام، حقوقِ انسانی کی حمایت اور لوگوں کے لیے عزت کے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا''۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سوویت یونین کے انہدام کے حوالے سے ساری دنیا کے اشتراکی اور مارکس وادی خودتنقیدی اور خود احتسابی کی غرض سے بین الاقوامی اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد کرتے رہے ہیں۔ ماضیِ قریب میں یعنی ۱۸ سے ۲۰ رنومبر ۲۰۰۹ء تک نئی دہلی میں دنیا کے بھر کے کمیونسٹ اور مزدور پارٹیوں کے نمایندوں کی بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ سوویت یونین کے انتشار وانہدام کے بعد اگیارھویں کانفرنس تھی۔ اِس سے پہلے کی دس کانفرنسیں یورپ اور لاطینی امریکا میں منعقد ہوئی تھیں۔ ایشیا میں یہ کانفرنس پہلی مرتبہ منعقد ہوئی۔ اِس کانفرنس میں ۴۹ ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیوں کے نمایندوں نے شرکت کی اور تین دن تک موجودہ عالمی کساد بازاری (DEPRESSION) کے معاشی بحران پر غور وخوض ہوا۔ کانفرنس نے ایک مشترکہ اعلامیے میں اِس ایقان کا اعادہ کیا کہ سوشلزم واحد متبادل ہے اور تمام پارٹیاں مارکسزم، لینن ازم کے سائنسی فلسفے پر متحد ہیں۔ مذکورہ کانفرنس کے انعقاد سے اشتراکیت اور مارکسزم کے حوالے سے مغرب میں ہونے والے منفی پروپیگنڈے کی جہاں نفی ہوتی ہے، وہیں اشتراکیت کی معنویت اور ہم عصر سماج کے مسائل کے لیے اکسیرِ اعظم (PANACEA) ہونے کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔

مارکسزم یعنی مارکسی فلسفے کا چرچا ۱۸۴۸ء سے شروع ہوا جب کمیونسٹ مینی فسٹو شائع ہوا جو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کی مشترکہ تاریخ ساز اور انقلابی تصنیف تھی جو یورپ کی مختلف انقلابی تحریکوں کے لیے مشعلِ راہ اور جرسِ کارواں کا درجہ رکھتی تھی۔ کمیونسٹ مینی فسٹو پہلی کتاب ہے جس میں سائنسی سوشلزم کے بنیادی اصول بڑی وضاحت اور صراحت سے مربوط طریقے پر بیان کیے گئے ہیں۔ اِس میں کائنات کے نئے مادی تصور، جدلیت کے قانونِ ارتقا سرمایہ داری نظام کی نوعیت، طبقاتی جدوجہد کے نظریے اور اشتراکی معاشرے کی تخلیق میں محنت کشوں کے انقلابی کردار، غرض یہ کہ مارکسزم کے تمام اہم پہلوؤں کی جامع تشریح موجود ہے۔

فریڈرک اینگلز نے مینی فسٹو کے ۱۸۸۳ء کے جرمن اڈیشن کے دیباچے میں لکھا تھا:

''اِس کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہر عہد کی سیاست اور فکر اقتصادیات یعنی ضروریاتِ زندگی کی پیداوار اُس سماجی ڈھانچے پر مبنی ہوتی ہے جو اُس پیداواری نظام کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین کی مشترکہ ملکیت کے دور کے بعد سے اب تک انسان کی ہر عہد کی تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے۔ یہ جدوجہد سرمایہ داری دور میں اب اُس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ لٹنے والا مظلوم طبقہ لوٹنے والے ظالم طبقے سے اُس وقت تک نجات نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ ساتھ ہی ساتھ پوری سوسائٹی کو استحصال، ظلم اور طبقاتی جدوجہد سے نجات نہ دلوا دے''۔

مارکس اور اینگلز نے اپنے اشتراکی نظریات کے لیے سائنسی سوشلزم کی اصطلاح اور پرانے سوشلزم کے لیے خیالی سوشلزم کی اصطلاح وضع کی تھی۔ خیالی سوشلزم سے اُن کی مراد سماجی اصلاح کے وہ منصوبے تھے جو یورپ کے مفکرین وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے تھے۔ یہ منصوبے سماج کے معروضی حالات سے اخذ نہیں کیے گئے تھے بلکہ اُن مفکرین کی ذاتی خواہشوں کا عکس تھے۔ اِس کے برعکس سائنسی سوشلزم سرمایہ داری نظام کے معروضی حالات کا لازمی اور منطقی نتیجہ تھا۔ اُس کے اصول سماجی ارتقا بالخصوص سرمایہ داری نظام کے گہرے مطالعے سے اخذ کیے گئے تھے۔ سائنسی سوشلزم سے مراد وہ نظام ہے جس میں پیداوار کے تمام ذرائع، زمین، معدنیات، کارخانے فیکٹریاں، بینک تجارت وغیرہ سماج کی مشترکہ ملکیت ہوتے ہیں اور اِن کی پیداوار جسمانی اور ذہنی کام کرنے والوں کی تخلیقی محنت کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ 'کمیونزم' سائنسی سوشلزم کا اگلا مرحلہ ہے۔ اِس سے مراد وہ اشتراکی نظام ہے جس میں پیداواری قوتیں اور پیداوار دونوں اِتنی بڑھ جاتی ہیں کہ اشیائے صرف کے استعمال کا پیمانہ افراد کی محنت نہیں ہوتا بلکہ اُن کی ضرورت ہوتا ہے۔ سوشلسٹ سماج میں TO EVERY BODY ACCORDING TO HIS WORK اور کمیونسٹ سماج میں TO EVERY BODY ACCORDING TO HIS NEEDS کا اصول اپنایا جائے گا۔

یورپ نے انیسویں صدی میں دو عظیم ہستیاں پیدا کیں، ایک کا تعلق انگلستان سے اور دوسری کا تعلق جرمنی سے تھا، یعنی ایک چارلس ڈارون (۱۸۰۹ء۔۱۸۸۲ء) اور دوسری کارل مارکس (۱۸۱۸ء۔۱۸۸۳ء)۔ ڈارون نے نباتات اور حیوانات کے ارتقا کا قانون، قدرتی انتخاب اور بقائے اصلح کا قانون (NATURAL SELECTION AND SURVIVAL OF THE FITTEST) دریافت کیا اور انسانی فکر کی دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ کارل مارکس نے انسانی تاریخ کے ارتقا کا قانون دریافت کیا۔ ڈارون کی دریافتوں نے سائنسی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور مارکس کی دریافتوں نے سماجی انقلاب کی راہیں روشن کیں۔

مارکسزم کے مطابق کائنات اور انسانی سماج کی ایک ارتقائی تاریخ ہے۔ کائنات کی ہر چیز حرکت کرتی اور بدلتی رہتی ہے، وجود میں آتی ہے اور فنا ہوتی رہتی ہے۔ خیال پرست مکتبہ فکر کے لوگ اِس کے انکاری ہیں اور وہ زندگی اور اُس کے تغیرات کو اُن کے تاریخی پس منظر میں نہیں دیکھتے بلکہ اُنھیں اُس پس منظر سے الگ کر کے دیکھتے ہیں۔ وہ اُن تعلقات کو، اُن رشتوں کو بھی نہیں دیکھتے جو چیزوں میں قائم ہیں۔ وہ کائنات کو اُس کی زندگی میں نہیں بلکہ اُس کی موت کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ وہ اِس حقیقت سے بھی انکار کرتے ہیں کہ کائنات اور انسانی سماج میں تبدیلی اور ترقی اِس وجہ سے ہوتی ہے کہ ہر شے کے اندر دو متضاد قوتیں اپنا کام کرتی رہتی ہیں، اُن میں آپس میں ٹکر ہوتی رہتی ہے۔ اِس تبدیلی اور حرکت کا کوئی دائرہ نہیں ہے جس میں وہ چکر کاٹتی رہتی ہو، بلکہ وہ انقلابی جست لگا کے نت نئی شکلیں اختیار کرتی ہے۔ یہ حلقے اپنے عمل سے اِس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسانی سماج ہزاروں سال سے ارتقائی مدارج طے کرتا آ رہا ہے۔ ابتدا میں قدیم اشتراکی نظام تھا۔ اُس کے بعد غلامی کا رواج ہوا اور سماج طبقوں میں بٹ گیا، پھر جاگیرداری نظام آیا اور اُس کے بعد سرمایہ

داری نظام قائم ہوا۔

مارکسزم کے مطابق جب سے انسانی سماج میں حاکم ومحکوم طبقے پیدا ہوئے ہیں اور طبقاتی جنگ کا آغاز ہوا ہے، ہمارا فلسفہ زندگی اور ہمارے خیالات و نظریات اور عقائد بھی دو طبقوں میں بٹ گئے ہیں۔ اِس میں کسی ملک، قوم اور مذہبی گروہ کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر مذہبی گروہ میں جہاں طبقات موجود ہیں، خیالات ونظریات بھی دو طبقوں کے خیالات ونظریات ہو گئے ہیں۔ اب تک ایک طرف حاکم طبقے کا فلسفہ رہا ہے جسے خیال پرستی کا فلسفہ (IDEALISM) کہا جاتا ہے اور دوسری طرف محکوم طبقے کا فلسفہ جسے مادیت (MATERIALISM) سے تعبیر کیا جاتا ہے جدلیاتی مادیت (DIALECTICAL MATERIALISM) فطرت اور سماج کو بالکل دوسرے طرح سے سمجھنے کا طریقہ ہے۔ جدلیت سے مراد یہ ہے کہ فطرت کے حوادث برابر متحرک ہوتے ہیں، وہ برابر بدلتے رہتے ہیں اور فطرت کی متضاد طاقتوں کے باہمی جدل سے فطرت کا ارتقا ہوتا ہے۔ جدلیت کا یہ قانون محض فطری حادثات کے ارتقا میں کارفرما نہیں بلکہ انسانی معیشت اور انسانی تاریخ کے ارتقا میں بھی موجود ہے۔ اِس کی رو سے سماجی نظام کا ارتقا یا تاریخ میں سماجی تبدیلی کسی اٹل ابدی تصور یا کسی بیرونی آفاقی تصور کے ماتحت نہیں ہوتی۔ ہر سماجی تبدیلی کے اسباب اُس کے گردوپیش کے حالات میں پنہاں ہوتے ہیں۔ ہر سماجی تبدیلی کو سمجھنے کے لیے اُن تمام دوسرے حالات کو سمجھنا ضروری ہے جن سے اُس کی تبدیلی کا تعلق ہے۔ سماج میں اُن کی بنیادی تبدیلی کا سبب آلات و ذرائعِ پیداوار میں تبدیلی کا ہو جانا ہے۔ ابتدائی عہدِ اشتراکیت کے وسائلِ پیداوار میں اُس زمانے کی سماجی تنظیم اور معاشرے کے رشتوں میں بھی تبدیلی۔ آقا اور غلام کی بنیاد پر سماج میں تنظیم اِس دوسرے عہد کے وسائلِ پیداوار کے مطابق تھی۔

اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے کی اشتراکیت کا نظام یا اُس کے بعد کا غلامی کا نظام کسی ابدی تصور یا کسی تاریخی سانحے کا نتیجہ نہ تھے بلکہ اُن کی ٹھوس معاشی بنیادیں تھیں۔ اُن معاشی بنیادوں میں تبدیلی کے سبب سے سماج کے نظام، سماج میں انسانوں کے باہمی تعلقات اور سیاسی نظام میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ جدلیت کے اِس اصول کی رو سے اگر ہم سماج کو دیکھیں تو اِس نتیجے پر پہنچیں گے کہ کوئی سماجی نظام انمٹ اور اٹل نہیں ہے۔ ذاتی ملکیت کا حق کوئی ابدی یا آفاقی کلیہ نہیں ہے۔ جاگیردار اور انسان کا رشتہ کسی ابدی انصاف کے اصول پر مبنی نہیں ہے۔ جس طرح غلامی کے نظام کے ختم ہونے کے بعد جاگیرداری کا نظام قائم ہوا، جس طرح جاگیرداری کے نظام پر سرمایہ داری حاوی ہوگئی، اِسی طرح حالات کے تقاضے کے مطابق سرمایہ داری نظام کو مٹا کر اشتراکیت کا نظام قائم ہوگا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں پائے جانے والے تضادات اُس کے بحرانوں کا سبب بنے ہیں، کیونکہ پیداواری تعلقات پیداواری طاقتوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے، اُن سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ سرمایہ دار سماج میں بڑی صنعتوں میں پیداوار انسانوں کے مشترکہ عمل کے ذریعے ہوتی ہے، لیکن اُن ذرائعِ پیداوار پر انفرادی ملکیت میں تضاد ہے۔ پیداواری تعلقات پیداواری تعلقات کے مطابق نہیں ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام بحران کا شکار رہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا موجودہ بحران بھی اِسی سلسلے کی کڑی ہے۔

کارل مارکس نے اپنی کتاب 'معاشیات کی تحقیقی تنقید' کے دیباچے میں تاریخی مادیت (HISTORICAL MATERILAISM) کا ماحصل اِن لفظوں میں بیان کیا ہے:

> ''سماجی پیداوار کے دوران میں لوگوں کو آپس میں ایسے تعلقات قائم کرنے ہوتے ہیں جن کے بغیر سماجی پیداوار ممکن نہیں ہوسکتی ہے۔ اِن تعلقات کے قائم کرنے میں اُن کی مرضی کو دخل نہیں ہوتا۔ پیدائشِ دولت کے یہ تعلقات پیدائشِ دولت کے مادی عناصر کی نشو ونما ایک خاص دور سے مطابقت رکھتی ہے سماج کا معاشی ڈھانچہ پیداوار کے اِنھی تعلقات کے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے۔ سماج کا یہ معاشی ڈھانچہ ہی دراصل وہ حقیقی بنیاد ہے جس پر سماج کی قانونی اور سیاسی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور جس سے سماجی شعور کی مختلف شکلیں میل کھاتی ہیں۔ مادی زندگی میں پیداوار کا جو طریقہ ہوتا ہے، اُسی سے عام طور پر سماجی، سیاسی اور ذہنی زندگی کا عمل معین ہوتا ہے۔ انسانوں کے وجود کو معین کرنے والا اُن کا شعور نہیں ہوتا بلکہ اُس کے مادی عناصر اپنی نشو ونما کی ایک مخصوص منزل پر پہنچ کر پیداوار کو مروجہ تعلقات سے ٹکرانے لگتے ہیں۔ اِس بات کو قانونی زبان میں یوں کہیں گے کہ پیداوار کے عناصر اُن املا کی تعلقات سے متصادم ہوتے ہیں جن کے تحت وہ اب تک کام کرتے رہے ہیں جو املا کی تعلقات اب تک عناصرِ پیداوار کی نشو ونما کی ایک شکل تھے اور اب اُس نشو ونما کو روکنے

لگتے ہیں، تب سماجی انقلاب کا دور شروع ہوتا ہے"۔

مارکسزم یعنی مارکسی فلسفے کی نظریاتی بنیادیں یعنی جدلی مادیت، تاریخی مادیت، قدرِ زائد (SURPLUS VALUE)، اقتصادی محرکات کی اولیت اور مارکس کا فلسفۂ بے گانگی (ALIENTATION) اور POLITICAL ECONOMY آج بھی اُسی طرح مستحکم بنیادوں پر استوار ہیں جیسے پہلے تھے۔ مارکسی فلسفے کی سچائیاں نظریاتی بنیادوں پر شکوک و شبہات سے دوچار نہیں ہوئی ہیں، مگر یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مارکسزم کوئی کٹر مذہبی عقیدہ (DOGMA) نہیں ہے بلکہ ایک سماجی سائنس ہے اور اِس کے اصول وقوانین ارتقا پذیر ہیں۔ فریڈرک اینگلز نے کمیونسٹ مینی فسٹو کے ۱۸۶۸ء کے ایڈیشن کے دیباچے میں یہ کہا تھا کہ کمیونسٹ مینی فسٹو کو چھپے ہوئے بیس برس گزر گئے ہیں اور اِس عرصۂ تاریخ میں بڑی تبدیلیاں آ گئی ہیں، لہٰذا کمیونسٹ مینی فسٹو میں پیش کیے گئے حقائق اور نظریات کو اُسی زاویۂ نظر سے پرکھنا چاہیے۔ تاریخ کے بدلتے حالات کے لحاظ سے سائنسی اشتراکیت کی ارتقا پذیری کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

آں کلیمے بے تجلی ، آں مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

علامہ اقبالؔ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ مارکس کوئی پیغمبر تو نہ تھا مگر ایک مکمل ضابطۂ حیات یعنی سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے حوالے سے ایک جامع کتاب داس کیپٹل اُس کا لازوال کارنامہ تھا جس کے ذریعے اُس نے سائنسی اشتراکیت اور اشتراکی انقلاب کی دعوت دی تھی، مگر اُس کے مقلدین نے کارل مارکس کو واقعی ایک پیغمبر اور روحانی پیشوا بنا دیا اور کتابِ مذکور کو الہامی کتابوں کا درجہ دے دیا اور کارل مارکس کو مفکرِ آخرالزماں بنا دیا اور اِس سماجی سائنس داں کے سماجی سائنسی فلسفے کے ارتقائی سفر کی راہیں مسدود کر دیں۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے ۱۸۴۸ء میں جس نظریے اور فلسفے یعنی سائنسی اشتراکیت کا نظریہ پیش کیا گیا تھا، وہ ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک کا منشور تھا، ایک انقلاب کا ایجنڈا تھا اور انیسویں صدی کے جس عرصۂ تاریخ میں یہ انقلابی منصوبہ یعنی کمیونسٹ مینی فسٹو پیش کیا گیا تھا، اُس کا ابتدائی جملہ اُس وقت کے یورپ کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی منظرنامے کا مظہر تھا یعنی یورپ کے آسمان پر ایک آسیب منڈلا رہا ہے، کمیونزم کا آسیب جس کے خلاف یورپ کی تمام رجعت پسند طاقتیں ایک مقدس اتحاد (HOLY ALLIANCE) میں جمع ہو گئی ہیں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے بیش تر ممالک کمیونسٹ مینی فسٹو کی اشاعت کے فوراً بعد ہی سے انقلابات سے دوچار ہونا شروع ہو گئے اور پورا یورپ انقلابات کی لپیٹ میں آ گیا۔ اِن ممالک میں فرانس، جرمنی، اٹلی بلجیم، آسٹریا، ہنگری اور بوہیما (چیکوسلواکیہ) شامل تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ یورپ میں غیر جمہوری حکومتوں کے دن پورے گئے ہیں۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے یورپ کی مذکورہ انیسویں صدی کی انقلابی تحریکوں میں فعال کردار ادا کیا، کیونکہ اُن کا کہنا تھا کہ ہزاروں برس سے فلسفی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتے آئے ہیں جبکہ دنیا کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اُن کے الفاظ تھے:

"DIFFERENT PHILOSOPHERS HAVE DESCRIBED THE WORLD IN VARIOUS WAYS, BUT THE REAL THING IS TO CHANGE IT."

چنانچہ اُنھوں نے انقلاب کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں اور قربانیاں دیں، ملک بدری کے عذاب اور مالی پریشانیوں سے دوچار ہوئے اپنی گھریلو زندگی سماج کو بدلنے کے مشن کی بھینٹ چڑھا دی۔ وہ انقلاب کا پرچم وقت کے گزرنے کے ساتھ عالمِ انسانیت کا پرچم بنتا گیا۔ اِس انقلاب کی منزل انسان کو انسان کے ہاتھوں استحصال سے نجات دلانا تھا۔ یہ تحریک ۱۸۷۰ء میں پیرس کمیون کی صورت میں ابھری۔ ۱۸۸۶ء میں شکاگو میں مزدوروں کے خون سے عالمی مزدور تحریک کا پرچم خوں رنگ ہو گیا اور یکم مئی ۱۸۸۶ء یومِ مئی کی تحریک کا حرفِ آغاز بن گیا۔

مارکسزم کا عملی روپ سائنسی اشتراکیت (SCIENTIFIC SOCIALISM) ہے۔ کارل مارکس سرمایہ داری نظام کی جگہ اشتراکی نظام کے قیام کو اٹل اور لازمی قرار دیتا ہے، لیکن سوشلزم کی ساری بحث میں وہ نہ عدل و انصاف کی دُہائی دیتا ہے اور نہ اخلاق و مذہب کی۔ وہ تو خالص منطقی دلائل اور تاریخی شہادتوں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ معاشرے کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ داری نظام کو ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ نظام، جو ذاتی نفع کی بنیاد پر قائم ہے، معاشرے کی پیداواری قوتوں اور تخلیقی صلاحیتوں کو آگے بڑھانے سے روکتا ہے۔ مارکسزم محنت کشوں کا تمام دنیا کے محنت کشوں کا خواہ وہ مسلمان ہوں، عیسائی، ہندو ہوں یا پارسی، انقلابی فلسفہ ہے۔ اِس انقلابی فلسفے کو عملی شکل عطا

کرنے میں کارل مارکس، فریڈرک اینگل اور لینن نے تاریخی کردار ادا کیا۔

مارکسزم یعنی سائنسی اشتراکیت کا نظریہ آغازِ سفر سے ایک تحریک کی صورت اختیار کرتا گیا کمیونسٹ مینی فسٹو ۱۸۴۸ء، کمیونسٹ لیگ کا منشور اور ایجنڈا رہا۔ اِس تحریک کے زیرِ اثر پورا ترقی یافتہ یورپ انیسویں صدی کے وسط سے سیاسی تبدیلیوں اور بحرانوں سے دوچار رہا، مگر مغربی یورپ میں وہ انقلاب رونما نہیں ہوا جس کی پیش گوئی مارکس اور اینگلز نے کی تھی۔ سرمایہ داری نظام کے تضادات کی روشنی میں اشتراکی انقلاب کی بشارت مذکورہ انقلابی مفکروں نے دی تھی۔ اُن کا خواب مغربی یورپ میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا، مگر مشرقی یورپ کے کم تر ترقی یافتہ ریاست روس میں وہ انقلاب ظہور پذیر ہوا جہاں سرمایہ داری نظام اپنے ابتدائی ادوار میں تھا اور اِس ریاست کا سیاسی ڈھانچا کلیتہً جاگیردارانہ نظام کے تابع تھا اور جہاں سرمایہ داری نظام کے بطن سے پیدا ہونے والا نظامِ مملکت یعنی جمہوریت روس کے سماج میں ایک اجنبی نظام اور نظریہ حکومت تھا۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں وہاں اُس تحریک کی بنیاد رکھی گئی جو ۱۹۱۷ء کے انقلابِ اکتوبر کا محرک بنی۔ وہ پارٹی RUSSIAN SOCIAL DEMOCRATIC WORKERS' PARTY تھجو ۱۹۰۵ء میں دو دھڑوں میں بٹ گئی یعنی منشیوک (MINSHEVIK) اور بالشیویک (BOLSHEVIK)۔ لینن اِس پارٹی سے شروع سے وابستہ ہو گئے تھے، سو اکثریتی دھڑا یعنی بالشیوک پارٹی کی قیادت وقت کے گزرنے کے ساتھ اُن کے حصے میں آتی گئی تھی۔ اِس پارٹی نے انقلابِ اکتوبر ۱۹۱۷ء برپا کیا جو تاریخِ عالم کا سب سے ہمہ گیر اثرات رکھنے والا انقلاب ثابت ہوا۔ بالفاظِ دیگر ایک انقلابی نظریے نے ایک کثیر الجہات انقلاب کو جنم دیا۔

انقلابِ اکتوبر ۱۹۱۷ء تاریخِ عالم کا وہ انقلاب تھا جس نے سب سے بڑی عمر پائی، یعنی سات دہائیوں سے زیادہ عرصے تک وہ انقلاب جاری و ساری رہا اور کامیابیوں اور کامرانیوں کے سفر پر گام زن ہو کر زوال پذیر ہوا اور تاریخ کا حصہ بن گیا۔ ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انہدام اور ۱۹۱۷ء کے انقلابِ اکتوبر کے خاتمے کے تاریخی سانحے کے حوالے سے علامہ اقبالؔ کا یہ شعر

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں! ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک؟

ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جو آفتابِ تازہ سات دہائیوں کے بعد گہنا گیا اور آخرِ کار تاریکیوں کے افق میں غروب ہو گیا۔ انقلاب کے حوالے سے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انقلاب دراصل وقت اور تاریخ کے دھارے پر بند باندھنے کا عمل ہے، وہ بند جو بہت عرصے تک قائم نہیں رکھا جا سکتا تاریخِ عالم سے دو اہم ترین انقلابات اِس باب میں حوالے کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں، یعنی اسلام جو میرے نزدیک سیاسی اعتبار سے ایک عظیم ہمہ گیر انقلاب تھا۔ وہ انقلاب تین دہائیوں کے بعد یعنی خلافتِ راشدہ کے خاتمے کے بعد ملوکیت میں تبدیل ہو گیا اور اُس کا اصل انقلابی چہرہ ملوکیت کے گرد و غبار میں ڈوب گیا، مگر اِس انقلاب کا آدرش اور نصب العین زندہ و پایندہ رہا اِس طرح انقلابِ فرانس (۱۷۸۹ء) ایک عشرہ قائم رہ کر تاریخ کا حصہ بن گیا، مگر انقلابِ فرانس کا آدرش کبھی تاریخ کا حصہ نہیں بنا۔ آزادی، مساوات اور اخوت (LIBRTY, EQUALITY AND FRATERNITY) کا نعرہ عالمی جمہوری تحریک کا منشور بنا اور اُس کی معنویت آج بھی قائم ہے۔

مارکسزم ایک سماجی سائنس ہے، سماجی ارتقا کی تفہیم کی سائنس۔ مذکورہ سماجی سائنس کی رو سے مارکس کے لفظوں میں ''سماجی رشتے پیداواری عناصر، آلاتِ پیداوار اور محنت کار سے منسلک ہوتے ہیں۔ نئے پیداواری عناصر کے ساتھ انسان اپنا طریقۂ پیداوار بھی بدل دیتا ہے۔ لوگوں کے حصولِ معاش کا ذریعہ بدلتا ہے تو وہ اپنے تمام سماجی رشتوں کو بدل دیتے ہیں۔ دستی مل فیوڈل امرا کا معاشرہ دیتا ہے اور بھاپ سے چلنے والی صنعت سرمایہ دار کا معاشرہ۔ جو لوگ اپنے سماجی رشتوں کو اپنی مادی پیداواریت سے متعین کرتے ہیں، وہی لوگ اپنے اصول، خیالات اور کلیے بھی اپنے سماجی رشتوں کے مطابق وضع کرتے ہیں، لہٰذا یہ خیالات، یہ کلیے اُتنے ہی کم ابدی ہوتے ہیں جتنے وہ رشتے جن کا یہ خیالات اظہار کرتے ہیں، وہ تاریخی اور عبوری تخلیقات ہوتے ہیں۔ پیداواری عناصر میں مسلسل ترقی ہوتی رہتی ہے، سماجی رشتوں میں بربادی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور نئے خیالات کی تشکیل ہوتی رہتی ہے۔ فقط ایک شے ناقابلِ تغیر ہے اور وہ ہے حرکت''۔

یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ مارکسزم کوئی جامد اور ناقابلِ تغیر فلسفہ نہیں ہے، نہ حرفِ آخر یا دینِ کامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے اور نئی زندگی کی قوتوں کو آگے بڑھانے کی جدوجہد میں انسان کے لیے فقط ایک مشعلِ راہ ہے۔ اِس میں زندگی کے تجربوں اور ضرورتوں کے پیشِ نظر اضافے ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ اینگلز اِس حوالے سے لکھتا ہے:

''جدلی فلسفہ، مطلق اور آخری حقیقت کے تمام تصورات کی

نفی کرتا ہے اور یہ ماننے سے انکار کرتا ہے کہ بنی نوعِ انسان کا کوئی مطلق مقام ہے۔ جدلی فلسفے کے نزدیک کوئی شے نہ آخری، نہ مطلق اور نہ مقدس۔ وہ ہر شے کی عبوری حیثیت کا انکشاف کرتا ہے، کیونکہ ہونے اور گزر جانے کا عمل سدا جاری رہتا ہے، نچلی سطح سے بالائی سطح کی جانب مسلسل سفر کا عمل"۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ مارکسزم کوئی جامد اور ناقابلِ تغیر فلسفہ نہیں ہے اور نہ حرفِ آخر ہے مارکسزم ایک سماجی سائنس ہے جس کی نظریاتی اساس اور سچائی پر کوئی سوالیہ نشان کسی معتبر حلقے کی طرف سے نہیں لگایا گیا ہے۔ اِس کے باوجود مارکسزم کو مختلف زاویہ ہائے نظر اور مختلف پہلوؤں سے RE-VISIT کرنے کی ضرورت پر سنجیدگی سے توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ بات RE-VISIT کرنے کے بجائے اُس کے CREATIVE INTERPRETATION کی بات زیادہ صائب ہوگی۔ سائنسی سوشلزم یعنی مارکسزم کا عملی مظاہرہ سر تھامس مور (THOMAS MOORE) کی 'یوٹوپیا' کے تناظر میں کسی خیالی جزیرے میں نہیں ہوا بلکہ بیسویں صدی کی پہلی ربع صدی میں دنیا کے ایک بڑے ملک روس میں ہوا اور انقلابِ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو تاریخ کا سب سے ہمہ جہت اور عالم گیر اثرات کا حامل انقلاب قرار دیا گیا جس انقلاب کی عمر سات دہائیوں سے زیادہ عرصے پر محیط رہی اور جس کے کارناموں اور کامیابیوں سے صرف روس کی سماجی کایا پلٹ نہیں ہوئی اور جس کے زیرِ اثر روس بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں ایک سپر پاور بنا، بلکہ پورا مشرقی یورپ اور پورا وسطِ ایشیا بنیادی سماجی تبدیلیوں سے روشناس ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں چین میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا شمالی کوریا، ویت نام اور کیوبا میں اشتراکی انقلاب ظہور پذیر ہوئے۔ دنیا بھر کی قومی آزادی کی تحریکوں کو سوویت یونین نے بامعنی مادی، سیاسی اور اخلاقی امداد پہنچائی اور دنیا کو نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل ہوئی مگر سوویت یونین میں اشتراکی انقلاب کا سورج نصف النہار پر پہنچ کر ایسا گہنایا گویا غروب ہوگیا سوویت یونین کے انہدام کے نتیجے میں پوری اشتراکی دنیا زمیں بوس ہوگئی اور مغربی دنیا کے ایک مفکر نے END OF HISTORY ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا، اِس پر تفکر ازسرِنو کیا جانا چاہیے۔

سوویت یونین کے انہدام اور اشتراکی دنیا کے مجموعی زوال پر غور کرنے کے لیے خود تنقیدی اور خود احتسابی کے عمل سے گزرنے کی ضرورت ہے۔ سوویت یونین کے انہدام اور اشتراکی نظام کی ناکامی میں بہت سے عوامل کی کارفرمائی رہی ہے جو گزشتہ دو دہائیوں سے موضوعِ بحث رہے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے کلیدی عنصر اشتراکی نظام کی کارکردگی میں جمہوری عمل DEMOCRATIC PROCESS کا فقدان ہے۔ سوویت یونین کی سات دہائیوں کے سفر میں کسی مرحلے پر جمہوری روایت اور جمہوری اداروں کی پاس داری کا کوئی عملی مظاہرہ نظر نہیں آتا۔ یہی صورتِ حال دوسرے اشتراکی ممالک میں نظر آتی ہے۔ خود کمیونسٹ پارٹی میں جمہوریت کا عمل دخل نہیں دکھائی دیتا۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ اشتراکی نظام کی اساس جمہور اور عوام کی بھاری اکثریت کی فلاح و بہبود اور حقوق پر استوار ہے اور حقیقی جمہوریت کا دعویٰ کرنے کا حق اشتراکی نظام کا حق ٹھہرتا ہے نہ کہ سرمایہ دارانہ نظام کا۔ جمہوریت کی روح اشتراکی نظام کی روح ہے، مگر عملی کارکردگی میں پوری اشتراکی دنیا میں خواہ وہ سابق سوویت یونین ہو یا مشرقی یورپ کی تمام اشتراکی ریاستیں، سب کی سب TOTALTARIAN اور DICTATORIAL ریاستوں کے زمرے میں شمار ہوتی تھیں۔ بالفاظِ دیگر اِن ممالک کے نظامِ مملکت میں عوام کا عمل دخل نہیں کے برابر تھا۔ اِن ممالک میں انتخابات کو کسی معیار پر آزادانہ اور منصفانہ کہنا خود فریبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ عوامی جمہوریہ چین، شمالی کوریا، ویت نام اور کیوبا میں جہاں آج بھی اشتراکی نظام جاری وساری ہے وہاں بھی یہی صورتِ حال ہے، گویا اشتراکیت کا عملی چہرہ جمہوریت کی چمک دمک سے کلیتہً محروم ہے۔

بیسویں صدی کی تاریخ پر طائرانہ نگاہ ڈالیے تو یہ حقیقت منکشف ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ تمام نظام اور تمام ریاستیں جہاں جمہوریت کی کارفرمائی اور عمل دخل نہیں تھا، وہ زوال آمادہ ہوئیں اور تاریخ کا حصہ بنیں، مگر وہ تمام ریاستیں جہاں لنگڑی لولی جمہوریت بھی تھی وہ آج تک قائم ہیں بلکہ ترقی کی راہ پر گام زن ہیں۔ ہم سرمایہ دارانہ نظام کو انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال پر مبنی اور سماجی ناانصافی پر استوار نظام سمجھتے ہیں اور اِسے مسترد کرتے ہیں، مگر سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے مکروہ استحصالی چہرے کو جمہوریت کے نقاب میں چھپا رکھا ہے اور جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کے لیے نقاب اور ایک بڑی ڈھال بنی رہی ہے، جبکہ اشتراکی نظام کی منزل اور انتہی سماج سے استحصال اور سماجی ناانصافی کی بیخ کنی ہے جس سے حقیقی جمہوریت کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے مگر عمل کی میزان میں اشتراکی نظامِ جمہوریت کے فیوض و برکات سے محروم رہا ہے اور اپنے

تمام تر عظیم مقاصد اور انسانیت دوست آدرش کے باوجود آج اُسے ایک ناکام نظام ہونے کا تمغا دیا گیا ہے اور تاریخ میں اُس کے اب تک کے عملی تجربات کو جمہوریت کی روح اور نصب العین سے متصادم قرار دیا گیا ہے۔ اشتراکی نظام نظریاتی طور پر اجتماعیت (COLLECTIVISM) کا نظریہ ہے اِس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد فردیت (INDIVIDUALISM) پر استوار ہے۔ اجتماعیت اور فردیت کے مابین تضادات پر غور کرنا موضوعِ زیرِ بحث پر، اختصار کے ساتھ سہی، ناگزیر ہے۔

فردیت کے نظریے کے علم بردار فرد کی آزادی اور حقوق کے حوالے سے معاشرے کے اجتماعی مفادات کو پسِ پشت ڈال کر ریاست کو ضروری بدی (NECESSARY EVIL) قرار دیتے ہیں اور ریاست کے کم از کم کردار بالفاظِ دیگر عدمِ مداخلت کے قائل ہیں اور معاشرے کے اقلیتی طبقے کو اکثریتی طبقے کے استحصال کو حق بجانب گردانتے ہیں۔ اقتصادی اصطلاح میں اِسے LAISSEZ FAIRE کہا گیا جس کا جدید نام MARKET ECONOMY ہے۔ اِس نظریے کی بنیاد پر فرد کی لوٹ کھسوٹ کو منافع کمانے کا حق کہا گیا۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام اِس نظریے کے طفیل سنگین بحران سے دوچار ہے۔ سرمایہ داری کا موجودہ بحران نیا اور پہلا بحران نہیں ہے، بلکہ ۱۹۲۹۔۳۲ء میں دنیا اِسی نوعیت کے بحران سے دوچار ہوئی تھی۔ یہ وہی دور ہے جب جرمنی میں نازی ازم اٹلی میں فاشزم اور جاپان میں MILLITARISM کا بول بالا ہوا تھا اور دنیا کو دوسری عالم گیر جنگ (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کی ہولناکیوں سے گزرنا پڑا تھا۔ غرض فردیت کے نظریے کی بنیاد پر استوار سرمایہ دارانہ نظام انسانی معاشرے کے لیے پائیدار امن، ترقی اور خوش حالی کا ضامن نہیں بلکہ حقیقت اِس کے برعکس ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال سماجی ناانصافی اور عدمِ مساوات کے اصولوں پر قائم ہے، لہٰذا انسانیت کا مستقبل اِس نظام سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا ایک بار پھر اشتراکی نظام کو اِس کا متبادل قرار دے کر مارکسزم سے رجوع کرنے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دوسری طرف اشتراکیت جو اجتماعیت کا علم بردار نظریہ ہے یہاں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، جمہوریت کے عمل دخل کے فقدان کے باوصف فرد کی حیثیت، حقوق اور آزادی یکسر معدوم ہو کر رہ گئی اور جمہوری مرکزیت DEMOCRATIC CENTRALISM) کا فلسفہ صرف مرکزیت بن کر روبہ عمل نظر آیا اور پرولتاری کی آمریت (DICTATORSHIP OF THE PROLITARIAT) کے نظامِ مملکت میں صرف آمریت رہ گئی۔ اِس صورتِ حال کو نظر انداز کر کے مارکسزم کے مستقبل کی تفہیم ممکن نہیں۔

مذکورہ حقائق کی روشنی میں مارکسزم یعنی سائنسی اشتراکیت کو RE-VISIT کرنے یعنی اُس کی CREATIVE INTERPRETATION کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ اولاً تو اشتراکی نظام کے مستقبل کو جمہوریت سے جوڑ کر ہی دیکھا جانا چاہیے اور اشتراکی نظام کے حاصلات کو محض عوام یعنی جمہور کی عملی شرکت سے مشروط کرنا ہوگا۔ اِس ضمن میں برسرِ اقتدار جماعت کی جمہوری ساخت اور اہمیت کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا، کیونکہ جو جماعت خود جمہوری آدرش سے بے گانہ ہوگی، وہ سماج اور نظامِ مملکت کو جمہوری خطوط پر چلانے کی دعوے دار نہیں ہو سکتی۔ جمہوریت سے عاری اشتراکی نظام کو اپنے تمام تر فیوض و برکات کے باوجود مستقبل میں بھی سوویت یونین کے انہدام کے انجام سے مختلف انجام کا سامنا نہیں ہوگا۔

اِس باب میں معروف مارکسی مفکر سبطِ حسن کی ایک تحریر سے استفادہ کرنے کی غرض سے یہ اقتباس نذرِ قارئین ہے:

> ”لینن (۱۸۷۰ء۔۱۹۲۴ء) کی تعلیمات کو سامراجی دور کے مارکسزم سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ لینن نے سامراجی نظام کی (جو سرمایہ داری نظام کی آخری شکل ہے) نہ صرف تشریح کی بلکہ یورپ کے محنت کشوں کی انقلابی جدوجہد اور مشرق کی محکوم اقوام کی آزادی کی تحریک دونوں کی حکمتِ عملی کے اصول مارکسی نصب العین کی روشنی میں مرتب کیے“۔

اِس اقتباس کے مندرجات کے تناظر میں مارکسزم کو ایک نئے لینن کی ضرورت ہے جو اکیسویں صدی کے اقتصادی محرکات، آلاتِ پیداوار، وسائلِ پیداوار اور گلوبل منظر کو پیشِ نظر رکھ کر تشریح کے ساتھ ساتھ اشتراکی انقلاب کے لیے جدوجہد کی نئی حکمتِ عملی پیش کرے۔

لینن کی تشریح اور تفہیم کی اہمیت اور معنویت کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے انقلابِ اکتوبر کے بعد کے عرصۂ تاریخ کو سامنے رکھنا ہوگا جس کے دوران میں دنیا کا سماجی، اقتصادی اور سیاسی منظر نامہ یکسر بدل چکا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد کی دنیا ایک نئی دنیا ہے۔ نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ تیسری دنیا کی قومی آزادی کی تحریکیں مختلف مراحل سے گزر کر آج کن حالات سے دوچار ہیں اور نوآزاد ممالک کو کن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے، اِس کا ادراک

منظر نامے کی تفہیم کے لیے ضروری ہے۔ نئے عالمی منظر نامے میں ملٹی نیشنل کمپنیز کا ظہور نئے عالمی اقتصادی نظام کا مظہر ہے۔ تیسری دنیا کو نوآبادیاتی نظام کی جگہ جدید نوآبادیاتی نظام کی عمل داری کا سامنا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیز کا ظہور ایک نیا PHENOMENON ہے جس نے سرمائے کی ماہیت اور نوعیت میں بنیادی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں S.T.R. یعنی SCIENTIFIC TECHNOLOGICAL REVOLUTION برپا ہوا جس کے نتیجے میں آلاتِ پیداوار، وسائلِ پیداوار اور پیداواری رشتوں میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ پیداواری عمل میں AUTOMATION اور کمپیوٹر کے داخل ہونے سے یہ صورت ابھری ہے کہ ہزاروں کی جگہ چند سو ورکروں کی ضرورت رہ گئی ہے۔ S.T.R. کے بطن سے اطلاعات کا انقلاب (INFORMATION REVOLUTION) نمودار ہوا ہے اور اِس حوالے سے دنیا ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ اِن تمام حالات اور عوامل کو کارل مارکس کے دیے گئے جدلیاتی اصولوں اور سماجی ارتقا کے سائنسی قوانین کی روشنی میں ازسرِنو پرکھنے اور سمجھنے کا مرحلہ درپیش ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ مارکسزم، سائنسی اشتراکیت ہے یعنی سماجی سائنس ہے، کوئی عقیدہ اور METAPHYSICAL PHILOSOPHY نہیں ہے۔ یعنی سائنسی نظریات کا بھی وقت کے ساتھ ارتقائی سفر ہوا ہے۔ کوپرنیکس (۱۴۷۳ء۔۱۵۴۳ء)، گیلیلیو گیلیلی (۱۵۶۴ء۔۱۶۴۲ء) اور آئزک نیوٹن (۱۶۴۲ء۔۱۷۲۷ء) کے سائنسی نظریات اور دریافتوں کو بعد کے سائنس دانوں نے مزید آگے بڑھایا ہے۔ سائنسی دریافتوں اور ایجادات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ البرٹ آئن اسٹائن (۱۸۷۹ء۔۱۹۵۵ء) کے بعد بھی سائنسی نظریات ارتقا پذیر ہیں، خود سرمایہ داری کا ارتقائی سفر جاری ہے اور سرمایہ داری کے عناصرِ ترکیبی کے حوالے سے اور آدم اسمتھ (۱۷۲۳ء۔۱۷۹۰ء) اور تھامس میتھیوز (۱۷۶۶ء۔۱۸۳۴ء) کے نظریات میں مسلسل ترامیم اور اضافے ہوتے رہے ہیں سرمایہ داری کے تضادات ماہرینِ اقتصادیات سے یکے بعد دیگرے نبرد آزما ہوتے رہے ہیں اور KEYNS کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اِس تناظر میں مارکسزم یعنی سائنسی اشتراکیت کے حوالے سے لینن کے بعد کوئی قابلِ ذکر حوالہ سامنے نہیں آیا ہے اور نتیجتاً مارکسزم ایک DOGMA کی صورت اختیار کر گیا۔ لینن ازم کے حوالے سے بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ سوویت دور میں لینن کو GREATEST GUENIUS OF ALL THE TIMES کا منصب عطا کر دیا گیا تھا اور ساری گفتگو مارکس اور لینن کے فرمودات پر ختم ہوتی تھی۔ یہ رویہ یکسر تبدیل ہونا چاہیے اور مارکسزم لینن ازم کی سچائی کا کلمہ پڑھنے کے بجائے اکیسویں صدی کے تناظر میں اِس کا CREATIVE INTERPRETATION ہونا چاہیے۔ ماضیِ قریب یعنی نومبر ۲۰۰۹ء میں دہلی میں منعقد ہونے والی عالمی کمیونسٹ پارٹیوں کی کانفرنس میں ایک اعلیٰ نظریاتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے تھا جو ۱۸۴۸ء کے بعد یعنی ۱۶۲ برسوں کے بعد کے حالات، آلاتِ پیداوار، وسائلِ پیداوار، پیداواری رشتوں اور سماجی رشتوں کی نوعیت اور موجودہ کردار، آج کے پرولتاریہ کی حیثیت اور کردار کی روشنی میں اشتراکیت کی تحریک اور انقلاب کا لائحۂ عمل اور حکمتِ عملی کا تعین کرنے کا فریضہ انجام دے۔ نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے بعد جدید نوآبادیات کے ظہور پذیر ہونے اور گلوبلائزیشن کی تازہ ترین صورت کا سائنسی جائزہ اور تجزیہ کیا جانا چاہیے۔

اِس باب میں دو تحریکیں گزشتہ دو عشروں سے ابھری ہیں اور اُن کا دائرۂ اثر بڑھا ہے ایک تحریک ایک N.G.O. کی پیداوار ہے، یعنی ورلڈ سوشل فورم جس کے اجتماعات دنیا کے مختلف ممالک میں ہوتے رہے ہیں جن میں بھارت اور پاکستان بھی شامل رہے ہیں۔ ماضی میں ممبئی اور کراچی میں یہ اجتماعات ہوئے ہیں اور اِن اجتماعات سے سماج کے مختلف طبقات خصوصیت کے ساتھ بائیں بازو کی فکر سے متاثر عوام کی دلچسپی قابلِ توجہ کہی جا سکتی ہے۔ اِس تحریک کا نعرہ ہے "ANOTHER WORLD IS POSSIBLE"۔ بالفاظِ دیگر یہ سرمایہ دارانہ نظام کو مسترد کرنے کی تحریک ہے جو اگر مارکسسٹ تحریک نہیں تو مارکسزم سے متاثر تحریک ضرور ہے۔ اِس تحریک کو ہم یورپ کے سوشل ڈیموکریٹس کی تحریک کی توسیع کہہ سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ ورلڈ سوشل فورم کے اجتماعات میں کمیونسٹ پارٹیوں اور مارکس وادیوں کی شرکت علامتی نہیں بلکہ بڑی معنویت کی حامل کہی جا سکتی ہے۔ اِس تحریک کے کرتا دھرتا بائیں بازو سے اپنی وابستگی کا اظہار واشگاف انداز میں اور اپنے عمل کے ذریعے کرتے ہیں جو بڑی خوش آیند بات ہے۔ اِس کے علاوہ ایک خالص مارکسی بین الاقوامی تحریک بھی سرگرمِ عمل ہے، یعنی INTERNATIONAL MARXIST TENDENCY جس کے تحت ۱۹۹۰ء کی دہائی سے سال بسال اجتماعات منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ اِس تحریک کا ہیڈ کوارٹر لندن میں ہے اور اِس کا ترجمان

ماہ نامہ 'SOCIAL APPEAL' ہے۔ یہ کامریڈ ٹراٹسکی کے نظریات کی حامل تحریک ہے جو یقیناً مارکسزم کی ایک شاخ ہے، اور سوویت یونین کے انہدام کے بعد اِس کی معنویت فزوں تر ہوئی ہے۔

یورپ اور پوری سرمایہ دار دنیا میں فلاحی ریاست کا تصور میرے نزدیک مارکسزم اور سائنسی اشتراکیت سے متاثر اور ماخوذ ہے۔ سوشل ڈیموکریٹس اشتراکیت کی دین اور اشتراکی نظام کی ایک شکل ہے۔ کارل مارکس دنیا کو بدلنے کے فلسفے کے داعی تھے۔ یہ تبدیلی کیسی اور کس نوعیت کی ہو، یہ اُس ملک اور معاشرے کے معروضی حالات پر منحصر ہے۔ اشتراکی نظام کا کوئی آفاقی فارمولا نہیں ہے۔ اشتراکی انقلاب کی بھی صورت و ہیئت اور لائحۂ عمل کا ہر ملک کے لیے کوئی یکساں نسخہ تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ آج یورپ کی بیش تر ریاستوں میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹیاں برسرِ اقتدار ہیں میرے نزدیک اشتراکیت پر مبنی تمام نظام ہائے حکومت کا سرچشمہ مارکسزم ہے، اِس طرح مارکسزم کی معنویت بدلتے ہوئے حالاتِ زیست میں ارتقاپذیر ہے اور سائنسی اشتراکیت نئے امکانات اور تجربات سے دوچار ہوتی رہے گی۔

مذکورہ معروضات کی روشنی میں یہ پُراعتماد لہجے میں کہہ سکتا ہوں کہ اکیسویں صدی میں مارکسزم کی معنویت انیسویں اور بیسویں صدی کی طرح آج بھی قائم ہے۔ مارکسزم کی معنویت اُس وقت تک رہے گی جب تک سماج میں نابرابری کے حالات رہیں گے، سماجی ناانصافی رہے گی اور انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال ہوتا رہے گا۔ انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال تمام ناانصافیوں اور مظالم کا سرچشمہ ہے اور اِس کا خاتمہ صرف اور صرف اشتراکی نظام سے وابستہ ہے اور اشتراکی نظام کا کامیاب سفر جمہوریت کی پاس داری سے مشروط ہے۔ تاریخ کا سفر پیش رفت کا سفر رہا ہے اور یہ سفر جاری ہے۔ انسانی معاشرہ عہد بعہد آگے بڑھا ہے، شرفِ بشر کا احساس اور ادراک پھیلا ہے۔ انسانی معاشرہ رنگ و نسل کی تفریق و امتیاز کو مسترد کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ غلامی کے تمام تر نقوش وقت کے گزرنے کے ساتھ معدوم ہوتے جائیں گے اور سیاسی آزادی کے ساتھ اقتصادی آزادی انسان کا مقدر ٹھہرے گی اور اِس کے حصول میں حائل تمام نظریات اور نظام ہائے حیات تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔ مارکسزم کی معنویت مذکورہ حقائق اور عوامل کی روشنی میں سمجھی جانا چاہیے۔

☆☆☆

نظم

مزدور

شاعر: شاہد رضوی

ہم نے پہیوں کو رم آب رواں بخشا ہے
گونگے پرزوں کو بھی اک طرز بیاں بخشا ہے
ہم نے دیوزاد مشینوں کو زبانیں دی ہیں
عزم تعمیر میں بکھرے ہیں تو جانیں دی ہیں
یہ دھواں دیتی ہوئی چمنی کرینوں کی قطار
سنگ و آہن سے اٹھتی ہوئی اونچی دیوار
ریل کا جال عزائم کی طرح پھیلا ہوا
سرخ پگھلے ہوئے فولاد کا بہتا دریا
آگ سے کھیلتے ہاتھوں میں شرارے پالے
سرخ فولاد کے ڈھلتے ہوئے دھارے پالے
ہم نے طوفان کو ہاتھوں میں جکڑ رکھا ہے
زلزلہ انگلی کی پوروں میں پکڑ رکھا ہے
جو دیانت کا طلبگار ہو ہم سے سیکھے
عزم و جرات جسے درکار ہو ہم سے سیکھے

خساروں اور قرضوں کا بوجھ کون اٹھائے گا؟
بجٹ ۲۰۱۸

نجم الحسن عطا

پاکستان کی تاریخ میں غالباً چار پانچ بجٹ ایسے تدوین کیے گئے جن کو متوازن بجٹ کہا جاسکتا ہے ایک 1951ء میں جب پاکستان کی توازن ادائیگیاں کورین جنگ کی وجہ سے بہت اچھی تھیں پھر پانچ سالہ منصوبوں کے تحت جنرل ایوب خان نے بھی ایک دو بجٹ بہتر دیے اور پھر ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جب ملک دولخت ہوگیا تھا اس دشوار وقت میں ڈاکٹر مبشر حسن نے ایک دو عوامی بجٹ بہتر دیے اس کے علاوہ تمام بجٹ خساروں، قرضوں اور غیر پیداواری اخراجات سے بھرپور عوام دشمن بجٹ بنے صنعتی ترقی اسپتال کالج یونیورسٹیاں صاف پینے کا پانی ڈیمز زرعی اصلاحات ووکیشنل ٹریننگ اور مائیکرو فنانس سے عام آدمی کو کاروبار پر لگانے کا کوئی ذکر کسی بجٹ میں سنائی نہ دیا اب مسلم لیگ (ن) نے چھٹا بجٹ پیش کیا ہے بجٹ برائے 19-2018 کے بارے میں معروف کالم نگار امتیاز عالم بعنوان مفتاح اسماعیل کی الوداعی معاشی درفشانیاں میں ایک جگہ لکھتے ہیں "اگر ماضی کے صوبائی بجٹ دیکھے جائیں تو اس بار بھی غریب محنت کشوں کو کچھ زیادہ ملنے والا نہیں خواندگی کی شرح ہو یا صحت کا انتظام پینے کا صاف پانی ہو یا خوراک کی فراہمی غریب عوام کی حالت میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آنے والی اب دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور استحصالی نظام کے ہاتھوں دو پاکستان اپنی انتہاؤں پر نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں دولت مندوں اور محنت کشوں اور غریبوں کی دو انتہائی مختلف دنیائیں وجود میں آ گئی ہیں اور یہ فرق بڑھتا ہی چلا جاتا ہے ایک طرف امراء اور افسروں کی عالمی معیار کی پر آسائش ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور دوسری طرف غربت اور استحصال کے ماروں کا انبوہ کثیر۔

اگر اس حقیقت کو یوں بیان کیا جائے کہ مٹھی بھر اشرافیہ کا اسی فیصد غریبوں کی دنیا پر قبضہ ہوگیا ہے یہ دو انتہاؤں کی دنیا ہے اس میں غریبوں کے لیے کیسے بجٹ بن سکتا ہے یہ سوچنا بھی بے سود ہے کہ اچھا ہوگا ظاہر ہے اشرافیہ کا ایک حصہ پارلیمان میں بھی بیٹھا ہوا ہے۔ ابھی مفتاح اسماعیل جو اسمبلی کے رکن بھی نہیں جیسے ہی انہوں نے تقریر کا اختتام کیا بزنس مینوں اور انڈسٹریل گروپ جو کرونی کیپٹل ازم کی پیداوار ہیں انہوں نے بجٹ کی توصیف کا آغاز کر دیا جبکہ بجٹ میں پاکستان بھر میں کسی نئے سرکاری اسپتال کی نوید یا تجویز نہیں کسی سرکاری یونیورسٹی کا اشارہ تک نہیں سرکاری اسکولوں کی بہتری کے لیے کوئی منصوبہ یا لائحہ عمل کا اعلان نہیں پینے کے صاف پانی کے لیے کسی پروگرام کا ذکر نہیں کراچی والوں کے لیے 25 ارب اور سالہا سال پرانا تصور کہ سمندر کے پانی کو میٹھا کر کے کراچی کے سہمے لوگوں کو پانی کی فراہمی ہوگی ایک خواب دے دیا اور وزیر خزانہ کی حیثیت سے مفتاح اسماعیل نے روپے کی قدر کم کرنے کے نتائج پر بجٹ تقریر میں کچھ نہیں کہا جواب 120 روپے فی ڈالر تک پہنچ گیا ہے جس کے نتیجے میں تمام درآمدی اشیا مہنگی تو ہوئیں اندرون ملک دکان داروں اور بڑے بڑے مالز کے دھن والوں نے قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کر دیا مفتاح نے روپے کے استحکام کے لیے کسی اقدام کا ذکر نہیں کیا اور کرتے بھی کیسے برآمدات 21.4 ارب ڈالر واور درآمدات 55 ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہیں یوں توازن ادائیگیوں کا خسارہ 35 ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے برآمدات بڑھیں گی تو روپے کی قدر کی جائے گی بنگلہ دیش 38 ارب ڈالر کی ایکسپورٹ کرتا ہے ویت نام 160 ارب ڈالر ملائیشیا 300 ارب ڈالر اور پاکستان قدرتی وسائل کے ہوتے ہوئے بھی 21.4 ارب ڈالر تک پہنچ پایا ہے قرضوں کی حالت یہ ہے کہ اس وقت 89 ارب ڈالر تک پہنچ چکے ہیں اور سود کی ادائیگی بجٹ برائے 19-18ء میں 1620 ارب روپے تجویز کیے گئے ہیں جبکہ تعلیم کے لیے 97 ارب روپے صحت کے لیے 14 ارب روپے رکھے گئے ہیں انرجی جس کا بحران ہے اس کی مد میں 80 ارب روپے، سڑکوں کے لیے 310 ارب، دفاع کے لیے سود سے کہیں کم رقم 1,100 ارب روپے رکھے گئے ہیں جس طور سے قرضے اور خسارے بڑھ رہے ہیں اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو پاکستان میں سرکاری شعبوں میں کام

کرنے والوں کی تنخواہیں بھی پوری نہیں ہوگی البتہ سو سے زائد مالداروں کی جو فہرست مرتب کی گئی ہے جن کی کروڑوں ڈالرز کی جائیدادیں باہر ہیں ان سے یہ پوچھا جائے کہ یہ دولت باہر کیسے گئی اور ان سے ڈالروں میں رقوم لی جائیں۔ ورنہ پاکستان دیوالیہ ہوسکتا ہے اس ملک کی بڑی بستیوں میں ایک ہزار روپے کا پان کھانے والا اور کھلانے والا دونوں ٹیکس چور ہیں خورسرکاری ذرائع مانتے ہیں کہ 35 لاکھ مالدار انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے اور نہ ہی سیلز ٹیکس جو عوام سے لیا جاتا ہے وہ بھی پورا دکھایا نہیں جاتا تو خسارے کیسے کم ہوں گے پاکستان میں ایک طرف پیسوں کی ریل پیل ہے دوسری جانب ایک وقت کی خوراک دستیاب نہیں گندے پانی سے ہر سال تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن جاتے ہیں ڈھائی کروڑ بچے اسکولوں سے باہر اور گھروں میں کام کرتے ہیں اب تو ستم ظریفی یہ ہے کہ بچیاں' بچے تشدد اور ظلم کا شکار ہو رہے ہیں بجٹ کی ستائش کرنے والے کاروباری و صنعتی حلقوں کو کچھ فوائد دینے ہوں گے مثلاً پیشگی ان کے ٹیکسوں میں کٹوتی کر دی گئی ہے دیگر محرکات کے ساتھ یہ رقم 184 ارب روپے بنتی ہے جبکہ صحت کے لیے وفاقی بجٹ میں 14 ارب روپے رکھے گئے ہیں نان فائیلرز ٹیکس کے ضمن میں جو ریٹرن نہیں بھرتے اور دستاویزی معیشت سے ڈرتے ہیں ان پر جرمانہ عائد کیا گیا ہے ایل این جی کی درآمد سے لائیو اسٹاک تک انکم ٹیکس سے سیلز ٹیکس ریلیف یہ سب کچھ تقریباً تمام شعبوں کو دیا گیا ہے اس لیے ریلیف کی لاگت بہت بڑھ گئی ہے اور ریونیو جو پہلے ہی بہت کم ہے اور بجٹ خسارہ تقریباً 1900 ارب روپے ہے اور مقامی بینکوں سے قرض بھی لینا ہے ایک ہزار ارب روپے سے زیادہ ہے اور باقی 900 ارب روپے قرض لیا جائے گا تاکہ بجٹ کو دھکا دیا جاسکے این ایف سی ایوارڈ کا اعلان کیا گیا ہے اس پر پنجاب کے علاوہ تین صوبے راضی ہوتے ہیں یا نہیں کیونکہ ٹیکس تو صوبوں کے عوام ادا کرتے ہیں این ایف سی ایوارڈ کے لیے 2590 ارب روپے رکھے گئے ہیں بلوچستان کے لیے 233 ارب روپے پنجاب 1882 ارب روپے '649 ارب روپے سندھ اور KPK کے لیے 426 ارب روپے تجویز کیے گئے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رقوم گزشتہ برس سے 11.8 فیصد زیادہ ہیں اور مفتاح اسماعیل نے انکم ٹیکس کٹوتی وغیرہ جو کی ہیں تو پھر ریونیو کہاں سے آئے گا اور بجٹ خسارہ کیسے پورا ہوگا کیا بجلی اور پیٹرول کے انتہائی نرخ بڑھا کر اگلی حکومت کے لیے عذاب بنانے کی کوشش کی گئی ہے تین بڑے بینک جو مشرق وسطیٰ کے سرمایہ کاروں نے خریدے ہیں ایک اطلاع کے مطابق وہ انہیں فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ اربوں ڈالر کے فروخت ہوئے اور یہ رقم باہر چلی گئی تو کیا روپے کی قدر 150 روپے فی ڈالر نہیں ہو جائے گی نجکاری کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ جب چاہے خریدنے والا کسی پاکستان دشمن کو بھی فروخت کرسکتا ہے اس سے زرمبادلہ کا قحط پڑ سکتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نئی حکومت کے لیے کیا بچتا ہے اور کس طرح کم آمدنی زیادہ اخراجات بمعہ قرضوں اور خساروں سے نبرد آزما ہوگی بجٹ کسی حکومت کا بہت اہم اعداد و شمار میں پالیسی بیان ہوتا ہے نئے محصولاتی سال کے آغاز میں آمدنی اور اخراجات کی تخمینہ کاری کرتے ہوئے حکومت کی ترجیحات کی سمت مقرر کرتی ہے اعلان کردہ بجٹ میں کوئی سمت نظر نہیں آتی۔

حکومت نے یہ کیسے تصور کرلیا کہ وہ 2019 تک بجٹ بنائے جبکہ بجلی کی پیداوار میں اضافہ ہونے کے باوجود ایک ہزار ارب روپے کے گردشی قرضے کوئی حکومت کیسے ادا کرے گی ریلوے اسٹیل مل اور پی آئی اے کی تباہی سمیت موجودہ صورتحال سے کس طرح نمٹا جاسکتا ہے کچھ نہیں بتایا گیا ریلیف دے کر الیکشن بجٹ بنانا نہایت غلط مثال ہے پھر بجٹ کا حجم 5932.5 ارب رکھا گیا ہے جو گزشتہ بجٹ جو ابھی بھی جاری ہے اس سے 16.2 فیصد زیادہ ہے۔ ریونیو کی خالص وصولی کی رقم 3070.4 ارب روپے مختص کی گئی ہے ذرائع کی صلاحیت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ 4917.2 ارب روپے تک ہوگی سب سے زیادہ انحصار بینکوں کے قرضوں پر کیا گیا ہے نتیجتاً نوٹ چھپیں گے اور افراط زر بڑھے گا رواں مالی سال میں 500 ارب روپے مقامی بینکوں سے لیے گئے اسے سو فیصد تک بڑھا دیا گیا ہے اس لیے بینک نجی شعبے کو زیادہ قرض نہیں دے رہے صوبوں کو کہا گیا ہے کہ وہ 286.6 ارب روپے سرپلس پیدا کریں جو ہر سال کی طرح ممکن نہیں اگلے مالیاتی سال کے لیے کل اخراجات کا تخمینہ 5939.5 ارب روپے لگا گیا ہے اس میں جاری اخراجات کے لیے 4780.4 ارب روپے رکھے گئے ہیں یوں 1152.1 ارب روپے ترقیاتی بجٹ کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ بجٹ میں

شرح نمو 6.2 رکھی گئی ہے حالانکہ اس سال کی شرح نمو کا ہدف بھی پورا نہیں ہوا اس قدر بڑھانے میں کروتھ اسی وقت ہوسکتی ہے جب آپ اپنے ذرائع سے کیش فلو اچھا رکھ سکیں قرضوں اور خساروں کی شرح نمو کنزیومرازم کو بڑھاتی ہے اور اس تصرف ہی کو شرح نمو سمجھا جاتا ہے جو غلط ہے ٹیکس جی ڈی پی تناسب 13.8 فیصد رکھا گیا ہے جبکہ ٹیکس کٹوتی کے بعد 35 لاکھ لوگ جو ٹیکس ادا نہیں کرتے ان کو ٹیکس نیٹ میں لانے کے لیے اقدامات نہیں کیے گئے زرمبادلہ کے ذخائر پندرہ ارب ڈالر تک لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے یہاں ترسیلات زر کا ذکر نہ کریں تو زیادتی ہوگی گزشتہ ساڑھے چار سالوں میں 88 ارب ڈالر باہر سے رقوم آئیں اور ملکی خسارہ 102 ارب ڈالر رہا ہے قرضے 90 ارب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں اس میں 51 ارب ڈالر کے چینی قرضے شامل نہیں ہیں ان سارے تلخ اعداد وشمار میں بیروزگاروں کو کہاں سے روزگار ملے گا یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ کتنے لاکھ نوجوان بیروزگار ہیں۔ گوادر کے لیے 137 ارب روپے رکھے گئے ہیں لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس میں پاکستانی نوجوانوں کی تربیت کا کوئی انتظام ہے تاکہ وہ سی پیک منصوبوں میں حصہ لے سکیں اور سی پیک کے تحت 9 اکنامک زونز میں کیا پاکستانی صنعت کاروں کے ساتھ جائنٹ وینچر ہوسکتے ہیں یا ہم ٹیکنالوجی اور انفرا اسٹرکچر میں پسماندہ ہیں اور پوری طرح سی پیک سے مستفید نہیں ہوسکتے ویسے بھی گوادر میں پاکستان کا حصہ نو فیصد ہے۔ بجٹ تقریر میں سماجی تحفظ کے بارے میں بھی نہیں بتایا گیا آڈٹ سسٹم میں جو کرپشن ہے اس کے تدارک کے لیے کوئی اقدام نہیں اٹھایا گیا تاکہ ٹیکس درست وصول ہوں چارصدارتی آرڈیننس بھی جاری ہوئے تاکہ کسی طرح ایمنسٹی اسکیم سے رقم وصول ہو بڑے لوگوں کا اس میں بہت فائدہ ہے لیکن وہ اپنی بے ایمانی کو افشا نہیں کریں گے حکومت نے کہا ہے کہ وہ ہر شے کو راز میں رکھے گی اگر وہ دو فیصد ٹیکس ادا کر کے سیاہ کو سفید کرلیں لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوا سب سے زیادہ دولت رئیل اسٹیٹ میں پوشیدہ ہے البتہ پیٹرول کی لیوی میں دس روپیے بڑھا کر بیس روپے فی لیٹر کردی جائے گی جس سے ٹرانسپورٹ کی لاگت بہت بڑھ جائے گی اس بجٹ کے تحت کوئی نئی حکومت کام نہیں کرسکتی صرف مالداروں کی بلیک منی ہی سے زبردستی رقوم لی جاسکتی ہیں ورنہ ملک کا معاشی طور پر چلنا محال ہوگا۔ ☆☆☆

غزل

الحاج یوسف اسماعیل

مجھے مزدور کہتے ہیں تلاش زر میں رہتا ہوں
نئے منظر بناتا ہوں پس منظر میں رہتا ہوں

مری مجبوریاں مجھ کو کبھی تھکنے نہیں دیتیں
مگر پھر بھی میں حاضر وقت کی ٹھوکر میں رہتا ہوں

بہت ہی مختصر روزی میں ہوتا ہے گزر میرا
میں گھٹنے موڑ لیتا ہوں مگر چادر میں رہتا ہوں

جو مستقبل کبھی بچوں کا سوچوں تھرتھراتا ہوں
میں زندہ ہوں مگر ہر وقت ہی محشر میں رہتا ہوں

بہت کم کام ہوتا ہے مرا ساون کے موسم میں
ٹپکتی چھت بھگودیتی ہے جب میں گھر میں رہتا ہوں

مرے بالوں کی چاندی پاؤں کی بیڑی نہیں بنتی
میں یوسف خواب ہوں تعبیر کے محور میں رہتا ہوں

عوامی جمہوریت کے قارئین سے درخواست ہے کہ رسالے کی اشاعت کے ضمن میں مالی اخراجات آپ کے تعاون کے بغیر ادارے کے لیے ایک بھاری بوجھ ہیں جس کو اٹھانے کے لیے آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے کہ پرچے کے واجبات جلد از جلد فراہم کرکے شکریہ کا موقع دیں۔(ادارہ)

مشرق وسطیٰ کا بحران، پس منظر و پیش منظر

ڈاکٹر ریاض شیخ

مشرق وسطیٰ ایک بار پھر بے چینی کی صورتحال سے گزر رہا ہے کہیں مذہب اور فرقے کے نام پر قتل وغارت گری ہے تو کہیں ریاستی قوتیں شہریوں کی آواز کو دبانے کے لیے بھرپور طریقے سے ریاستی جبر کا استعمال کر رہی ہیں اور اس ساری صورت حال میں اسرائیل کے ہاتھوں نہتے فلسطینیوں کا قتل عام تو ایک معمول کی بات بن چکا ہے۔ لیکن اس میں تبدیلی کے بھی کچھ پہلو ملتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی اس صورتحال کا ذمہ دار کس کو قرار دیا جائے؟ اس کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟ آنے والے وقت میں یہ صورتحال کہاں جانے گی؟ اس صورتحال کے خطے اور دنیا کے دیگر علاقوں پر کیا اثرات پڑیں گے؟ کیا اس صورتحال کا عالمی تبدیلیوں سے بھی کوئی تعلق ہے' یا پھر یہ ایک خطے تک محدود رہے گی؟ یہ اور اس قسم کے کئی سوالات ہیں جو کہ ہر صاحب شعور اور سیاسی شعور رکھنے والے سیاسی کارکن کے ذہن میں جنم لیتے ہیں۔

مشرق وسطیٰ کے مسائل کی تلاش' پہلی عالمی جنگ کے اختتام کے پر جرمنی' اٹلی اور ترکی کے مشترکہ اتحاد کی شکست کے بعد مشرق وسطیٰ پر یورپی سامراجی قوتوں خصوصاً فرانس اور برطانیہ کے قبضے اور وہاں متعارف کرائے گئے معاشی اور سیاسی نظام میں کی جائے یا پھر دوسری عالمی جنگ کے بعد اسرائیل کے قیام اور نئے سامراج امریکہ کے زیر اثر قائم کیے گئے عوام دشمن نظام میں تلاش کی جائے' جس کے تحت اس خطے میں دکھاوے کی بادشاہتیں اور موروثی نظام قائم کیے گئے جن کا مکمل طور پر انحصار امریکہ برطانیہ اور دیگر سامراجی قوتوں پر تھا۔ لیکن اس علاقے میں غیر فطری ریاستوں کی تشکیل اور پھر اس کے نتیجے میں ایک طرف بحرین' قطر' عرب امارات اور سعودی عرب جیسی دنیا کی خوشحال ترین ریاستیں تو دوسری طرف یمن' اردن' اور مصر جیسے ممالک جو کہ آبادی میں تو نسبتاً بڑے ہیں لیکن انتہائی غربت کا شکار ہیں اور مکمل طور پر بیرونی امداد پر انحصار کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف خوشحال ممالک مثلاً سعودی عرب نے نہ صرف مشرق وسطیٰ بلکہ اس سے باہر نکل کر بھی اپنی بالادستی قائم کرنے اور وہاں اسلام کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے پیسہ پانی کی طرح بہایا جس کے باعث مذہبی انتہاپسندی اور فرقہ واریت کو فروغ ملا اس میں صرف سعودی عرب کے اپنے عزائم شامل نہ تھے بلکہ اس میں امریکہ کی اسے مکمل پشت پناہی حاصل تھی امریکہ ان مذہبی انتہاپسندوں کی حمایت نہ صرف سعودی تیل اور امریکی بینکوں میں کھربوں ڈالر سعودی رقم کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کے لیے کر رہا تھا بلکہ وہ اس کے ذریعے مشرق وسطیٰ میں اٹھنے والی ترقی پسندانہ سوچ اور سامراج مخالف نوجوان نسل کا خاتمہ بھی چاہتا تھا مصر میں ناصر کی قیادت میں اخوان المسلمین اور قطب برادران کے خلاف اقدامات سے بچانے کے لیے سعودی عرب نے اپنی سرزمین کے دروازے ان تنگ نظر مذہبی انتہاپسندوں پر کھول دیئے ارض مقدس کو انتہاپسندوں کی نرسری میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کے نتیجے میں عبداللہ ازام اور اسامہ بن لادن جیسے ان گنت کردار نکلے جنہوں نے ایک طرف سعودی عرب اور امریکہ کے نئے عالمی نظام کے مجوزہ نقشے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا تو دوسری طرف مشرق وسطیٰ اور دیگر علاقوں میں نام نہاد مذہبی انتہا پسندی کو پروان چڑھانے کا سبب بن گئے اخوان المسلمین جیسی قوتیں صرف مشرق وسطیٰ کے چند ممالک تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ ان کا دائرہ کار بڑھ کر انڈونیشیا اور پاکستان تک پھیل گیا جماعت اسلامی اور اور مودودی قطب برادران کے نہ صرف حمایتی بلکہ ایک ایک دوسرے کے مددگار رہے۔

مشرق وسطیٰ کی اس گمبھیر صورتحال کی وضاحت میں جہاں کئی ماہ وسال اور واقعات بڑی اہمیت کے حامل ہیں وہاں ۱۹۷۹ء خصوصی اہمیت کا حامل ہے اس برس جہاں ایک طرف سعودی عرب میں مقامی انتہاپسندوں نے ملک میں ایک کٹر مذہبی ریاست قائم کرنے کے لیے اسلام کے سب سے مقدس مقام یعنی خانہ کعبہ پر تین ہفتوں تک قبضہ کر کے نہ صرف سعودی عرب بلکہ تمام دنیا کو حیران کر دیا لیکن اتنے بھیانک واقعہ کے باوجود امریکہ اور سعودی عرب کی آنکھیں نہ کھلیں اور انہوں نے اس انتہاپسندی کو ختم کرنے کی بجائے اس گروہ کو اسی برس

سویت یونین کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور سوشلسٹ قوتوں کو مذہبی انتہا پسندی کے ہاتھوں شکست دینے کا فیصلہ کیا اگلے کئی برس تک جہادی تیار کرنے کا ایک مضبوط اور طاقت ور نظام قائم کیا گیا امریکہ اور اس کی سی آئی اے نے اس میں بڑا کلیدی کردار ادا کیا نامور امریکی صحافی اسٹیو کول کی کتابیں اس صورتحال کو سمجھنے میں خصوصی معاون ثابت ہوتی ہیں ان جہادیوں نے بعد ازاں کیا صورت حال اپنائی اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے

اسی برس اسی خطے میں امریکہ کے سب سے بڑے ایجنٹ شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے خلاف چلنے والی تحریک نے ایک عوامی رنگ اختیار کر لیا ور ایران کی ترقی پسند قوتوں نے عوام کے غصے کو ایک باقاعدہ شکل دیتے ہوئے بالآخر امریکہ کے اس پٹھو کو بادشاہت چھوڑ کر امریکہ کے ایک اور حمایتی انور سادات کے ملک مصر میں عارضی طور پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا امریکہ کا خیال تھا کہ یہ تبدیلی عارضی ہوگی جس طرح ایران میں اس سے قبل ۱۹۲۰ء اور پھر ۱۹۵۰ء کی دہائیوں میں ہو چکا تھا لیکن اس بار ترقی پسندوں کا زیادہ اثر تھا اور یہ تبدیلی عارضی کی بجائے مستقل نظر آ رہی تھی اس لیے یہاں بھی اس تبدیلی کو روکنے کے لیے ایک اور فرقے کے انتہا پسندوں کا سہارا لیا گیا لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ ایران کی مذہبی قیادت کو اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے امریکہ مخالف نعروں پر اکتفا کرنا پڑا کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں رضا شاہ پہلوی کی واپسی کا راستہ کھلا رہتا دوسری طرف سعودی عرب کو ایران میں آنے والی تبدیلی نے پریشان کر دیا تھا اس صورت حال نے جہاں مشرق وسطیٰ میں فرقہ واریت کو پروان چڑھایا تو دوسری طرف امریکہ اس ساری صورتحال سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ایک طرف سعودی عرب سوشلسٹ بلاک کے خلاف جاری جہاد اور جہادی قوتوں کو مکمل معاشی امداد فراہم کر رہا تھا تو دوسری طرف یہی سعودی عرب امریکہ مخالف ایران کے خلاف بھی بھرپور کردار ادا کر رہا تھا اس صورتحال نے مشرق وسطیٰ کے پہلے سے پائے جانے والے تضادات کو مزید پیچیدہ بنا دیا ایران اپنی تمام تر خوشحالی کے باعث ایک عرصے تک ڈٹا رہا اور ایران کی مذہبی قیادت کے لیے یہ رویہ رکھنا ضرورت بن گیا تھا ورنہ ایرانی عوام ان کو بھی نکال باہر کرتے لیکن ایران جو کئی وجوہ کی بنا پر امریکہ اور سعودی عرب کے لیے وبال جاں بنتا جا رہا تھا اور اس کا اثر ونفوذ اب صرف ایران تک محدود نہ رہا تھا بلکہ اس کا اثر لبنان میں حزب اللہ، شام بحرین اور پاکستان تک پھیل چکا تھا ایک نیا چیلنج بن کر اسرائیل سعودی عرب بحرین اور دیگر عوام دشمن بادشاہتوں کے لیے سب سے بڑا دردسر بن چکا تھا ایران کی اس فوجی اور معاشی قوت کا خاتمہ کرنے کے لیے کئی برسوں پر محیط ایران عراق جنگ کا آغاز کیا گیا امریکہ سعودی عرب اور دیگر سرمایہ دارانہ ممالک نے اس جنگ میں عراق کی بھرپور فوجی اور معاشی مدد کی جس کے نتیجے میں ایران معاشی مشکلات کا شکار ہوتا چلا گیا عراق نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو کافی مستحکم بنا لیا اور خطے کا ایک طاقتور کردار بن گیا اور پھر جلد ہی صدام حسین کے بھی عزائم توسیع پسندانہ بن گئے ۱۹۹۱ء میں کویت پر قبضے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں تباہی و بربادی کا ایک نیا باب کھول دیا گیا۔ سعودی عرب نے جہاں ایک طرف اس جنگ میں اب عراق مخالف امریکی اتحاد میں کلیدی کردار ادا کیا تو دوسری طرف افغانستان میں مصروف جہادیوں نے اس نئے محاذ میں بھی اپنا توانائیوں کو استعمال کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی لیکن سعودی عرب کی منصوبہ بندی کچھ اور تھی لیکن بالآخر انتہا پسندی اب اپنی جڑیں وہاں تک پھیلا چکی تھیں ۹/۱۱ کے واقعات نے ایک بار پھر یہ بات واضح کر دی کہ مشرق وسطیٰ میں مذہبی انتہا پسندوں کی جو نرسری دوسری عالمی جنگ کے بعد لگائی گئی تھی اب وہ ایک مضبوط اور مستحکم نظام بن چکا ہے اب اس انتہا پسندی کے خاتمے کے نام پر شروع کیے گئے سلسلے میں ہدف ان ترقی پسند قوتوں کو بھی بنایا گیا جو کہ اب تک امریکہ اور سعودی عرب کے گٹھ جوڑ میں پروان چڑھنے والے اس مذہبی انتہا پسندوں اور جنونیت کے اس نظام کے خلاف آواز اٹھاتے چلے آئے تھے ۲۰۰۷ء اور ۲۰۰۸ء میں عالمی کساد بازاری اور استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کی قلعی کھل کر سامنے آ گئی خود امریکہ میں اقتصادی نظام کا دیوالیہ پن کھل کر سامنے آ گیا نیویارک وال اسٹریٹ پر لوگوں نے خیمے نصب کر کے وہاں قیام کر لیا اور we ocupied wallstreet 99% جیسے واقعات سامنے آئے عالمگیریت کے اس دور میں اب یہ احتجاج صرف ایک ملک تک کیسے محدود رہ سکتا ہے اس کا اثر جہاں دنیا کے دیگر خطوں پر پڑا تو اس کا ایک بڑا گہرا اثر مشرق وسطیٰ میں بھی دیکھنے کو ملا۔

۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۱ء کے عرصے میں مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک میں کئی دہائیوں سے جاری اس استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند ہوئی کئی ممالک میں

شہری علاقوں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے موروثی بادشاہتوں کے خلاف آواز اٹھانا شروع کردی ان بادشاہتوں کو عالمی طور پر امریکہ اور مقامی طور پر سعودی عرب کی مکمل تائید حاصل تھی مشرق وسطیٰ کی اس صورتحال کو سمجھنے کے لیے امریکی مارکسی دانشور پال میسن (Paul Massom) اور مشرق وسطیٰ میں رہائش پذیر نامور صحافی رابرٹ فسک کی تحریریں بڑی اہم ہیں۔

بہر حال مختصراً یہ کہ مشرق وسطیٰ کی حالیہ برسوں میں ابھرنے والی تحریکوں نے مشرق وسطیٰ کے صدیوں اور دہائیوں سے طاری جمود کو کسی حد تک شکست و ریخت کا سامنا کرنے پر مجبور کردیا اور تبدیلی کی ایک صورت نکل کر سامنے آئی ہے اس عرصے کے دوران ایک بہتری یہ ہوئی کہ امریکہ کے پہلے سیاہ فام ڈیموکریٹک صدر بارک اباما نے بھی سعودی عرب کے منفی کردار کو سمجھتے ہوئے خطے کی سیاست میں امریکی کردار کو بدلنے کی کوشش کی کیونکہ امریکہ کے اس خطے میں الجھنے کے باعث اس کا زبردست معاشی نقصان ہو رہا تھا سعودی عرب اور امریکہ کی یہ دوری زیادہ عرصے نہ چل سکی اور نئے امریکی صدر ٹرمپ نے جلدی ہی دوبارہ سعودی عرب سے اپنا ناتہ جوڑ لیا اور اب امریکہ سعودی عرب اتحاد دوبارہ مکمل آب وتاب کے ساتھ بحال ہو چکا ہے جس کے اثرات ایک بار پھر واضح ہونا شروع ہو چکے ہیں اسرائیل بھرپور قوت سے فلسطینیوں پر جارحیت میں مصروف ہے۔ شام اور یمن میں امریکہ اور سعودی عرب اپنی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے اب تک لاکھوں لوگوں کو ہلاک کرا چکے ہیں اور کروڑوں بے گھر ہو چکے ہیں۔ امریکی دباؤ اور اندرونی حالات کے باعث سعودی عرب ملک کے اندر لبرل ازم اور اپنے شہریوں کو چند آزادیاں دینے پر تیار ہو چکا ہے یہ محدود آزادیاں کسی ایک قسم کی تبدیلی کا باعث بن سکتی ہیں یہ ایک الگ موضوع ہے کیا یہ گورباچوف کے کھلے پن اور تبدیلی جیسے اقدامات کی مانند سعودی عرب میں ٹوٹ پھوٹ کا باعث بن سکتی ہیں یا پھر کوئی تبدیلی لاسکتی ہیں یہ ایک قابل غور اور بحث طلب موضوع ہے۔

اس کے ساتھ مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک میں حالیہ برسوں میں انتخابی عمل کو آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے لبنان میں سعودی عرب حمایتی گروپ کو کوئی خاص کامیابی نہ مل سکی جبکہ عراق میں بھی ایران کے حمایتی بہتر کارکردگی نہ دکھا سکے لیکن عراق میں کمیونسٹ پارٹی اور بائیں بازو نے اپنی کارکردگی کو بہتر کیا ہے یمن میں سعودی عرب کی تمام تر جارحیت کے باوجود مزاحمتی قوتیں اب تک لڑ رہی ہیں شام میں روس اور چین کی حمایت سے سعودی اور امریکی منصوبوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے لیبیا اب خانہ جنگی کی صورت حال سے نکل رہا ہے لیکن مصر میں سعودی اور امریکی حمایت یافتہ جنرل ملک کا صدر بن بیٹھا ہے یقیناً اس صورت حال کی ذمہ داری اخوان المسلمین کے حمایت یافتہ سابق مصری صدر مرسی اور ان کے گروہ پر بھی ڈالی جاسکتی ہے لیکن اسرائیل کی سرحد سے جڑے ہوئے مشرق وسطیٰ کی سب سے بڑی فوجی قوت مصر کو امریکہ اسرائیل اور سعودی عرب کسی بھی صورت اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیں گے۔

اس صورتحال میں امریکی صدر ٹرمپ کی طرف سے یکطرفہ طور پر ایک بار پھر ایران پر پابندیوں کا عائد کیا جانا اس بات کی غمازی ہے کہ صورت حال مکمل طور پر امریکی کنٹرول میں نہیں ہے تمام یورپی ممالک چین اور روس نے ان نئی امریکی پابندیوں میں شریک ہونے سے انکار کر کے اس بات کا اشارہ دے دیا ہے کہ اب دنیا میں یک قطبی نظام زیادہ عرصے نہیں چل سکے گا اور جلد ہی تبدیلی کا آغاز ممکن ہے اور آثار بتا رہے ہیں کہ ان تبدیلیوں میں مشرق وسطیٰ کا بڑا کلیدی کردار ہوگا لیکن اس میں سب سے منفی پہلو یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جاری اس لڑائی کے نتیجے میں لاکھوں انسان اس جنگ کا ایندھن بن چکے ہیں اس قتل و غارت گری کا اب خاتمہ ہونا چاہیے۔ (جاری ہے)

رام.....علامہ اقبال

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند
سب فلسفی ہیں خطہ مغرب کے رام ہند
یہ ہندیوں کے فکر فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بام ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے دنیا میں نام ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند
اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی
روشن تراز سحر ہے زمانے میں شام ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا

راج سنگھاسن ڈانواڈول

صباالدین صبا

امریکہ کی قیادت میں عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی کے حوالے سے امریکی دانشوروں اور ماہرین معیشت کی آرا پہلے ہی منظر عام پر آچکی ہیں۔ ممتاز امریکی ماہر معیشت والراسٹین (Waller Stein) نے عالمی نظام کے حوالے سے اپنی تحقیق کے بعد یہ رائے دی کہ

Capitalist world system is now in a structural crises(final , insoluble crises)

سرمایہ دارانہ عالمی نظام اب ڈھانچہ جاتی بحران کا شکار ہے۔ (حتمی ناقابل حل بحران) اب امریکی محکمہ دفاع نے خبردار کیا ہے کہ امریکی بالا دستی خطرے میں اور دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کا تخلیق کردہ عالمی نظام تیزی سے زوال پذیر ہے۔

" The US backed international order established after world war II is fraying and way even be collapsing leading the United States to loose its position of primercy in world affairs."

ایک غیر معمولی نیو پینٹا گون اسٹیڈی سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ امریکہ کی حمایت سے دوسری جنگ عظیم کے بعد جو عالمی نظام قائم کیا گیا وہ تیزی سے زوال پذیر بلکہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے اور اس کے نتیجے میں عالمی امور میں امریکہ کا قائدانہ کردار ختم ہورہا ہے۔

امریکی محکمہ دفاع نے صورتحال سے نمٹنے کیلئے تجویز دیتے ہوئے اپنے روایتی رویے کو برقرار رکھا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ عالمی معاملات میں اضافہ نگرانی، اضافی پروپیگنڈہ اور اضافی فوجی توسیع پسندی کی ضرورت ہے۔ دستاویز میں کہا گیا ہے کہ دنیا تبدیلی کے ایک نئے مرحل میں داخل ہوگئی ہے۔ جس میں ایک امریکی قوت زوال پذیری کا شکار ہے۔ عالمی نظام ناکام ہورہا ہے اور ہر جگہ حکومتوں کی عملداری ختم ہورہی ہے۔ چین اور روس کی بڑھتی ہوئی قوت کو امریکی مفادات کیلئے بڑا خطرہ تصور کیا جاتا ہے لیکن یہ خطرہ صرف چین اور روس کی جانب سے نہیں بلکہ عرب بہار جیسے واقعات کا ابھار بھی امریکہ کی بالا دستی کے لئے خطرہ بنتے جارہے ہیں۔

یہ رپورٹ ایک سال کی عمیق تحقیق کا نتیجہ ہے۔ تحقیق کے اس عمل میں امریکی محکمہ دفاع اور امریکی آرمی کے کلیدی اداروں کی مشاورت شامل ہے۔ یہ رپورٹ جون میں امریکی فوج کے وار کالج کے ادارے اسٹریٹجک اسٹیڈیز انسٹی ٹیوٹ نے شائع کی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ اب بھی عالمی سطح پر ایک دیوہیکل سیاسی، اقتصادی اور عسکری قوت ہے تاہم اسے اب ناقابل تسخیر پوزیشن حاصل نہیں۔

"مختصراً دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکی حکمت عملی کے ماہرین نے جس اسٹیٹس کو کو تخلیق اور مستحکم کیا تھا اور جو کئی دہائیوں سے محکمہ دفاع کے لئے کلیدی اہمیت رکھتا تھا وہ نہ صرف کمزور ہورہا ہے بلکہ تیزی سے زوال پذیر ہے۔"

دوسری جنگ عظیم کے بعد پیدا ہونے والا عالمی نظام، سوویت یونین کے انہدام کے بعد یک قطبی نظام میں تبدیلی ہوگیا۔ جو عمومی طور پر امریکہ اور اس کے یورپی اور ایشیائی اتحادیوں کی بالا دستی پر مبنی تھا۔ اسٹیٹس کو کی حامی قوتیں بین الاقوامی سالمیت میں اپنی شرائط منوانے اور دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہیں اور نئے ابھرنے والے متحارب مراکز قوت کی مزاحمت کررہی ہیں۔ لیکن تاریخ انسانی کا یہ عہد جس میں امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی مرضی چلانے میں آزاد تھے اب یہ صورتحال بدل گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق احکامات کی پیروی پر مبنی امریکہ کا پیدا کردہ عالمی نظام جو گزشتہ سات دہائیوں سے آب وتاب کے ساتھ جاری تھا۔ اب غیر معمولی دباؤ کا شکار ہے۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی واقعات اس شدت کے ساتھ ظہو پذیر ہوں گے جس سے نمٹنے کی صلاحیت سے امریکہ کا محکمہ دفاع قاصر ہے۔

رپورٹ کے مطابق امریکہ اپنی بالا دستی اور رہنمایانہ کردار کو برقرار نہیں رکھ سکتا جو اس نے سوویت یونین کے انہدام کے بعد 20 سال سے زائد عرصہ تک انجوائے کیا۔ صرف امریکہ ہی زوال پذیری کا شکار نہیں بلکہ تمام ممالک اور روایتی سیاسی ڈھانچے مقامی اور بیرونی قوتوں کی طرف سے غیر معمولی دباؤ کا شکار ہیں۔ مابعد سرد جنگ عالمی نظام کی ٹوٹ پھوٹ کے ساتھ ساتھ تمام ممالک میں سیاسی سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ بحران کا شکار ہے۔ رپورٹ کے مطابق عالمی سطح پر امریکہ کی بالا دستی کو متحارب قوتوں روس، چین اور نسبتاً چھوٹے کردار ایران اور شمالی کوریا سے خطرات لاحق ہیں۔ ایک مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ ان ملکوں کو اپنے لئے خطرہ کیوں محسوس کرتا ہے؟ رپورٹ کے مطابق اس کی وجہ فوجی یا سیکورٹی معاملات

نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ ان ملکوں کی جانب سے اپنے جائز قومی مفادات پر اصرار ہے۔ جسے امریکہ اپنی بالا دستی کی نفی تصور کرتا ہے۔ روس اور چین عالمی سطح پر اختیارات کی ازسرنو تقسیم چاہتے ہیں کیونکہ انہوں نے امریکہ کے حقیقی متحارب قوتوں کی حیثیت سے ترقی کی ہے۔

مذکورہ دستاویز میں کہیں بھی دلائل کے ساتھ موثر طور پر یہ بیان نہیں جا سکا ہے کہ روس اور چین امریکی قومی سلامتی کیلئے کیونکر خطرہ ہیں۔ اصل تشویش یہ ہے کہ دونوں موجودہ اسٹیٹس کو میں تبدیلی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ دستاویز میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایران اور شمالی کوریا بھی خطے میں امریکہ کی بالا دستی کیلئے مسلسل خطرہ ہیں۔ یہ امریکی قیادت میں عالمی نظام کی توسیع کی راہ میں حائل ہیں۔

مذکورہ ممالک کے علاوہ پینٹاگون، نان اسٹیٹ فورسز کو بھی امریکی مفادات کیلئے خطرہ قرار دیتا ہے جو مختلف انداز میں خاص طور سے اطلاعات کے ذریعے امریکہ عالمی نظام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ پینٹاگون کے آپریشنل سیکورٹی اور سیکریسی کو برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ ٹیکنالوجی تک آزادانہ رسائی منصوبوں اور اداروں کو خفیہ رکھنے کی پرانی سہولت کو پامال کر رہی ہے۔

" This information revolution in turn is leading to the generalised disintegration of traditional authority structure fueld and accelerated by hyperconnectivity and the obvious decay and potential failure of the post cold war status quo."

آئی ایس آئی ایس اور القاعدہ جیسے گروپوں سے درپیش خطرے کو اجاگر کرتے ہوئے رپورٹ کسی قیادت کے بغیر عدم استحکام (عرب بہار) کو اقتدار کے روایتی ڈھانچوں کی تحلیل کا سبب قرار دیتی ہے۔ دستاویز اس جانب بھی اشارہ کرتی ہے کہ عوامی بے چینی کی کیفیت مغربی ممالک بشمول امریکہ میں بھی پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مختلف نوعیت کے حقائق اور ان تک عوام کی رسائی عوامی بے چینی اور عدم استحکام کا باعث بن رہی ہے۔ رپورٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ حقیقی سچائیاں بہر حال امریکہ کی بین الاقوامی ساکھ کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ امریکی وار کالج کی اسٹیڈی ٹیم کا موقف ہے کہ امریکی بالا دستی کو چیلنج کرنے والی سچائیوں کا پھیلاؤ امریکہ کے زوال کا بڑا سبب ہے۔ اطلاعاتی خطرے کے حوالے سے پینٹاگون رپورٹ میں یہ حل تجویز کیا گیا ہے کہ اطلاعات کی نگرانی کو سخت کیا جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکہ کے پاس بڑے پیمانے پر نگرانی کی صلاحیت موجود ہے اور اس سے بھرپور استفادہ کیا جانا چاہیے بصورت دیگر رپورٹ کے مطابق خود امریکہ امریکی شہریوں اور امریکی رائے عامہ کے لیے میدان جنگ تبدیل ہو جائے گا۔ امریکی بالا دستی کو پہنچنے والے نقصان کا اعتراف کرتے ہوئے پینٹاگون امریکہ کی فوجی قوت میں اضافے کو واحد راہ نجات تصور کرتا ہے۔ دستاویز میں اتنی طاقتور اور خودمختار فوج کا تقاضا کیا گیا ہے جو امریکہ کو بین الاقوامی تنازعات سے پیدا ہونے والی صورتوں میں تحکمانہ پوزیشن دلا سکے۔ رپورٹ میں براہ راست سرمایہ دارانہ نظام کو حوالہ دیئے بغیر کہا گیا ہے کہ کچھ عناصر عالمگریت کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں جبکہ عالمی عالمگیریت خود بھی متحرک طور پر جوابی جنگ میں مصرف ہے۔ رپورٹ کی زبان میں

"Some are fighting globalization and globalization is also actively fighting back, Commbined all of those forces of security and stable governence that all state aspire to and rely on for survival."

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امریکی قیادت میں سرمایہ دارانہ عالمگیریت اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کے مابین جنگ ہے۔

اس جنگ کو جیتنے کیلئے دستاویز میں مختلف حکمت عملیوں کو مربوط کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ امریکی انٹیلی جنس کمپلیکس کو مستحکم کرنے اور اسے بڑے پیمانے پر نگرانی اور پروپیگنڈے کیلئے زیادہ جارحانہ انداز میں استعمال کرنے، منڈیوں، وسائل اور تزویراتی اہمیت کے حامل خطوں میں امریکی فوج کی رسائی اور استحکام کو یقینی بنانے کی تجویز دی گئی ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ پینٹاگون کے اس اہم دستاویز میں امریکی قوت میں زوال کی کیفیت کا اعتراف تو کیا گیا ہے لیکن ان امریکی پالیسیوں کا ذکر نہیں کیا گیا جو اس کے عالمی کردار میں کمی کا باعث بنی ہیں۔ بلکہ امریکی عسکری قوت نے مسائل کے حل کیلئے جو تجاویز پیش کی ہیں ان میں سے بیشتر پہلے بھی امریکی سبکی، اور امریکہ کے لئے ناپسندیدگی کا باعث بن چکی ہیں۔ حقائق بتاتے ہیں کہ امریکہ کو حاصل ہونے والی پسپائی خود امریکی پالیسیوں اور جارحانہ اقدامات کا نتیجہ ہے۔

بین الاقوامی سیاسی و اقتصادی منظر نامے پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح نظر آ رہی ہے کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام ناقابل حل بحران کا شکار ہے اور اس کے نتیجے میں پرانا عالمی نظام ختم ہو رہا ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں بائیں بازو کی تنظیمیں ایک بار پھر منظم ہو رہی ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ عالمی نظام کا متبادل بائیں بازو کی قوتیں پیش کر سکتی ہیں یا نہیں۔ ☆☆

انتخابات کا روڈ میپ

ڈاکٹر توصیف احمد خان

انتخابات کے التواء کے بارے میں قیاس آرائیاں پھر زور پکڑ گئیں۔ عسکری اسٹبلشمنٹ سے قربت رکھنے والے عمران خان اور شیخ رشید انتخابات میں چند ماہ التواء کا اشارہ کررہے ہیں۔ گذشتہ ماہ فوج کے سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ کی پریس بریفنگ میں شرکت کرنے والے بعض صحافیوں نے بھی ایسا ہی تاثر ظاہر کیا ہے۔ مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف اپنی صاحبزادی مریم نواز کے ساتھ پنجاب کے شہروں میں عوامی جلوسوں سے خطاب کا ریکارڈ قائم کرچکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم لیگ ن کا مقابلہ عمران خان یا زرداری کے بجائے خلائی مخلوق سے ہے اور عوام ہی اس خلائی مخلوق کو شکست دیں گے۔ 1988ء سے 2018ء تک ملک کی سب سے بڑی جماعت کا اعزاز پانے والی پیپلز پارٹی کے قائد آصف زرداری نے آئندہ انتخابات میں مخلوط حکومت کے قیام کی پیشگوئی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انتخابات میں آزاد امیدوار زیادہ کامیاب ہونگے۔ انہوں نے تحریک انصاف سے کسی نوعیت کے اتحاد کے امکانات کو بھی رد نہیں کیا ہے۔ انتخابات کی تاریخوں کے قریب آتے ہی میاں نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کے خلاف عدالتوں کے فیصلوں میں شدت آگئی ہے۔ اسلام آباد ہائی کورٹ نے وزیر خارجہ خواجہ آصف کو اقامہ ظاہر نہ کرنے پر نااہل قرار دیا اور پھر سپریم کورٹ نے خواجہ آصف کی اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل پر حکم امتناعی جاری کرنے سے انکار کیا۔ اس بات کا امکان ہے کہ مسلم لیگ ن کے دو رہنماؤں طلال چوہدری اور دانیال عزیز کو سپریم کورٹ توہین عدالت کے الزام میں سزا دیدے گی۔ پھر ریلوے کے وزیر خواجہ سعد رفیق کے خلاف آشیانہ ہاؤسنگ سوسائٹی کیس میں حتمی کارروائی ہوگی۔ نیب نے میاں نواز شریف، شہباز شریف، ان کے صاحبزادوں اور ان کے دامادوں کے خلاف بھی تحقیقات شروع کردی ہیں۔ میاں شہباز شریف اور ان کے صاحبزادے حمزہ شہباز کو صاف پانی اسکینڈل کی تحقیقات کے لیے نیب کی کارروائی کا سامنا ہے۔ نیب نے مذہبی انتہاپسندی کے علمبردار روزنامہ اوصاف میں چند ماہ قبل شائع ہونے والے ایک کالم کی بنیاد پر میاں نواز شریف کے خلاف 4.9 بلین ڈالر بھارت کو بھجوانے کے الزام میں تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ نیب کے سربراہ جسٹس ریٹائرڈ جاوید اقبال نے ایک پریس ریلیز کے ذریعے میاں نواز شریف کے خلاف تحقیقات کے فیصلے کی تصدیق کی مگر اسٹیٹ بینک اور عالمی بینک نے اس بڑی رقم کی بھارت منتقلی کے الزام کی تردید کردی۔ وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی نے قومی اسمبلی میں اپنے خطاب میں تجویز پیش کی کہ پارلیمنٹ نیب کے چیئرمین کو طلب کرے اور اس الزام کی وضاحت طلب کی جائے۔ نیب کے چیئرمین نے اپنے وضاحتی بیان میں کہا کہ یہ تحقیقات ایک اخبار میں شائع ہونے والے کالم کی بنیاد پر شروع کی گئی اور اس کا مطلب کسی شخصیت کو نقصان پہنچانا نہیں تھا مگر محسوس یہ ہوتا ہے کہ نیب نے نادیدہ قوتوں کے دباؤ پر یہ تحقیقات شروع کیں۔ پھر اس غیر منطقی الزام کی صداقت پر سخت اعتراضات کے بعد اپنا بیان واپس لے لیا مگر جب وزیر اعظم خاقان عباسی نے پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ اٹھایا تو تحریک انصاف کے رہنما اسد عمر نے نیب کے سربراہ کو پارلیمنٹ میں طلب کرنے کی مخالفت کی۔ یوں نیب کے اس الزام کو اپنا بیانیہ کا حصہ بنالیا۔ میاں نواز شریف نے اپنے برسر اقتدار آنے کے بعد بھارت سے دوستی کو انتہائی اہمیت دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سربراہ اور وزیر اعظم مودی میاں نواز شریف کی نواسی کی شادی میں شرکت کے لیے لاہور آئے۔ اسی وقت سے میاں نواز شریف کے خلاف ایک مذموم مہم شروع ہوئی۔ جماعت اسلامی، حافظ سعید اور دیگر کالعدم تنظیموں نے میاں نواز شریف کی بھارت دوستی کے خلاف مہم شروع کی۔ اس مہم کے دوران میاں نواز شریف پر بھارت کے ایک بہت بڑے تاجر کے ساتھ کاروباری شراکت کے الزامات عائد کیے گئے۔ پھر سابق فوجی سربراہ جنرل راحیل شریف کی جارحانہ پالیسیوں کے نتیجے میں بھارت، ایران اور افغانستان سے تعلقات سرد پڑ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمران خان کے انتخابی دھاندلیوں

کے خلاف اسلام آباد میں دھرنے کے پس پشت یہی معاملہ کارفرما تھا۔ دائیں بازو کے بعض صحافیوں نے الزام لگایا تھا کہ میاں نواز شریف بھارت کے ایک تاجر سے ذاتی تعلقات کو اہمیت دے رہے ہیں۔ ان اطلاعات کی تصدیق کے بغیر الیکٹرونک میڈیا پر نواز شریف کے خلاف پروپیگنڈا تیز ہوگیا تھا۔ انتخابات سے قبل ایک بہت بڑے افسر کی جانب سے یہ الزام لگانے کا مقصد ووٹروں کو مسلم لیگ ن کے خلاف ورغلانہ ہے۔ مسلم لیگ ن کو مزید کمزور کرنے کے لیے سرائیکی اتحاد اور تحریک انصاف کے درمیان معاہدہ کرایا گیا، یوں سرائکی محاذ تحریک انصاف میں ضم ہوگیا۔ اخباری اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرائیکی محاذ کے بعض رہنما تحریک انصاف میں انضمام کے لیے تیار نہیں۔ وہ تحریک انصاف سے اتحاد کے حق میں ہیں۔ بہرحال عمران خان نے اقتدار میں آتے ہی سرائیکی صوبہ بنانے کا وعدہ کرلیا۔ ادھر مسلم لیگ ن کے رہنماؤں کی تحریک انصاف میں شمولیت کی خبریں روزانہ اخبارات میں شائع ہورہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی گونج بھی سنائی دے رہی ہے کہ نامعلوم افراد ٹیلی فون کر کے مسلم لیگ ن کے رہنماؤں کو پارٹی سے علیحدہ ہونے اور تحریک انصاف میں شمولیت کی ہدایات دے رہے ہیں اور نامعلوم افراد یہ پیشگوئی بھی کررہے ہیں کہ مستقبل کے وزیراعظم عمران خان ہی ہونگے۔ جو رہنما ان ٹیلی فون کالز سے ملنے والے پیغامات پر توجہ نہیں دے رہے ان کے خلاف نیب اور خفیہ ایجنسیاں کارروائی شروع کردیتی ہیں۔ پھر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے فیصلوں سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ مسلم لیگ ن کے وزراء اور اراکین ہیں۔ چیف جسٹس نے سول ایسی ایشن اتھارٹی کے ایک افسر کے اس بیان پر کہ مختلف ایئر لائنز میں پائلٹ اور دیگر عملے کی ڈگریاں جعلی ہیں اور شاہد خاقان عباسی ایئر بلیو کے چیف ایگزیکٹو ہیں انہیں عدالت طلب کرلیا۔ شاہد خاقان عباسی کا کہنا ہے کہ وہ ایئر بلیو کے سی ای او نہیں ہیں۔ دوسری طرف سندھ میں پیپلز پارٹی کے خلاف نیب نے مقدمات واپس لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ نیب نے پیر مظہر الحق، آصف زرداری کے منہ بولے بھائی اویس مظفر ٹپی اور کئی دیگر رہنماؤں کے خلاف تحقیقات کو بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ نیب کا کہنا ہے کہ ان رہنماؤں کے خلاف تحقیقات میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ بعض صحافیوں کا کہنا ہے کہ سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر عاصم اور شرجیل میمن کے خلاف بھی مقدمات داخل دفتر کیے جارہے ہیں۔ اسی طرح بدنام زمانہ افسروں کو بھی معافی ملنے والی ہے۔ پیپلز پارٹی کے شریک چیئرپرسن آصف زرداری کی عسکری اسٹیبلشمنٹ سے مفاہمت کے مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں۔ قبائلی نوجوان نقیب اللہ محسود کے ماورائے عدالت قتل کے بعد قبائلی علاقے کے جوان منظور پشتین کی قیادت میں متحدہ ہوئے اور منظور پشین اور ان کے ساتھیوں نے پشاور، سوات اور لاہور میں بڑے بڑے جلسے کیے۔ لاہور کے ناصر باغ میں انتظامیہ نے جلسہ ناکام بنانے کے لیے ہدایات جاری کیں کہ ذرائع ابلاغ پر منظور پشتین اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیاں پیش نہ کی جائیں۔ صرف انگریزی کے اخبارات میں پختون تحریک کی سرگرمیاں رپورٹ ہوئیں مگر سوشل میڈیا پر منظور پشتین کی تحریک کا خوب ذکر آیا۔ فوج کے سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ نے قبائلی علاقوں سے تعلق رکھنے والے ریٹائرڈ فوجی افسروں سے ایک ملاقات میں مشورہ کیا۔ ان افسروں کا کہنا ہے کہ منظور پشین اور ان کے ساتھی ہمارے بچے ہیں مگر ان بچوں کو معتدل رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ لاہور کے جلسہ سے پہلے لاہور میں کچھ گرفتاریاں ہوئیں۔ اسی طرح کراچی میں مارکسٹ گروپ لعل سلام کے 6 کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں کوئی پختون شامل نہیں تھا۔ گذشتہ ماہ ملک کے سب سے بڑے ذرائع ابلاغ کے ادارہ جیو ٹیلی وژن نیٹ ورک کی نشریات اسکرین سے غائب ہوگئیں۔ پھر کئی دنوں تک جیو اسکرین پر نظر نہیں آیا۔ وفاقی حکومت نے اس بات کی تردید کی ہے کہ پیمرا نے جیو نیوز پر کوئی پابندی عائد کی تھی۔ پیمرا نے کیبل آپریٹر یونین کے عہدیداروں کو طلب کیا تو انہوں نے حلفیہ بیان دیا کہ جیو کو ان کے کارندوں نے بند نہیں کیا۔ پھر یہ رہنما تحقیقاتی کمیٹی کی ایک رکن کے گھر گئے تو وہاں ٹی وی اسکرین پر جیو نظر آرہا تھا مگر ان افسروں کے گھر سے جانے کے بعد جیو آف اسکرین ہوگیا۔ اس دفعہ جیو کی انتظامیہ کا نامعلوم قوتوں سے معاہدہ ہوا۔ اب جیو کی انتظامیہ نے اپنی بنیادی پالیسی کو تبدیل کرلیا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ کی صورتحال کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ عسکری اسٹیبلشمنٹ ہر معاملہ میں مداخلت کررہی ہے اور سول گورنمنٹ کے لیے راستہ محدود ہورہا ہے۔ یہ عمل ریاستی ادارہ سے لے کر انفرادی سطح تک پھیل رہا ہے۔ محسوس ہورہا ہے کہ انتخابات کا روڈ میپ کہیں تیار ہوچکا ہے اور اس روڈ میپ پر عملدرآمد شروع ہوچکا ہے۔ آصف زرداری نے عمران خان سے انتخابات کے بعد اتحاد کی تجویز اسی روڈ میپ کے مطابق دی ہے۔

☆☆☆

تاریخ میں فرد کا رول

سی آر اسلم

چونکہ مارکسسٹ تاریخی ضرورت کے قانون کو مانتے ہیں اس لیے بورژوا دانشور اس پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ وہ بڑے آدمیوں، رہنماؤں اور لیڈروں کے رول کے منکر ہیں ان کا یہ الزام بے بنیاد ہے کیونکہ مارکسزم فرد کے رول کا منکر نہیں ہے مارکسسٹوں کے نزدیک کوئی بڑا آدمی اور کوئی بڑا لیڈر تاریخ کے دھارے کو اپنی مرضی سے نہیں موڑ سکتا لیکن اس دھارے کے اندر رہ کر وہ سماجی ترقی کے عمل میں تیزی یا دھیما پن پیدا کر سکتا ہے مارکسزم کے نزدیک فرد تاریخی ضرورت کے حالات کا شعور حاصل کر کے ہی اہم رول ادا کر سکتا ہے طبقاتی سماج میں کئی طبقات ہوتے ہیں لیکن ان کی بڑی تقسیم لوٹنے والے اور لوٹے جانے والے طبقات کے درمیان ہے ان طبقات کے درمیان مفادات کا ٹکراؤ طبقاتی کشمکش کو جنم دیتا ہے اور یہ طبقات اپنی سیاسی پارٹیاں بناتے ہیں اور ان میں سے ہی لیڈر پیدا ہوتے ہیں۔ جو اپنے تجربات اور علم اور پہل قدمی کے سبب راہنمائی کرنے لگتے ہیں یہ لیڈر عوام کو منظم کرتے ہیں انہیں سیاسی عمل کے لیے اکساتے ہیں ان کی منزل کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس منزل تک جانے کا راستہ بتاتے ہیں اور انہیں متحرک کر کے منزل کی طرف آگے بڑھاتے ہیں۔

عوام جتنے زیادہ متحرک ہوتے ہیں اتنی ہی زیادہ ضرورت لیڈروں کی محسوس ہوتی ہے۔ لیڈروں کے بغیر عوام اقتدار پر قبضہ نہیں کر سکتے نہ اس پر قابض رہ سکتے ہیں اور نہ اسے مضبوط کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی ریاست قائم کر سکتے ہیں نہ نیا سماج تعمیر کر سکتے ہیں اور نہ اپنے سیاسی دشمنوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے ہیں محنت کشوں کی جدوجہد میں انقلابی دانشوروں کا رول بہت اہم ہے مزدور اپنی سیاسی جدوجہد کو انقلابی دانشوروں کی رہنمائی کے بغیر کامیابی تک نہیں پہنچا سکتے تجربہ کار لیڈروں اور آہنی ڈسپلن والے لیڈروں کے بغیر مزدور انقلاب برپا نہیں کر سکتے بڑے لیڈر محض اتفاق سے تاریخ میں ظاہر نہیں ہوتے بلکہ تاریخی ضرورت انہیں پیدا کرتی ہے جب خارجی حالات تبدیلی اور انقلاب کے لیے رہنما ہو جاتے ہیں تو تاریخی ضرورت بڑے لیڈر پیدا کر لیتی ہے جب سماج انقلابی تبدیلیوں کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو ایسے انسان آگے آ جاتے ہیں جو تبدیلی کے اس عمل کو تیز کرنے کا کام سرانجام دیتے ہیں جب پیداواری عمل کی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی بڑی ایجاد ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک بڑا سائنس دان سامنے آتا ہے جو یہ ایجاد کر کے پیداواری عمل کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور جب تاریخ میں اہم موڑ آتے ہیں تو بڑے فنکار پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل بڑے آدمی وہی ہوتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور دانشوری کی سماج کی ترقی میں ضرورت ہوتی ہے دوسرے لفظوں میں جو اپنی فکری ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے سماج کی ترقی کے عمل میں تیزی پیدا کرتے ہیں۔

ایسے دانشور اور لیڈر بھی گزرے ہیں جنہوں نے تاریخی ضرورت کے خلاف کام کیا ہے اور اب بھی ایسے لیڈر اور دانشور موجود ہیں جو تاریخی ضرورت کے خلاف صف آرا ہیں ماضی میں ایسے دانشور ناکام ہوئے ہیں اور آج بھی وہ ناکام ہوں گے کیونکہ وہ وہ رجعتی اور استحصالی طبقات کی حمایت کر رہے ہیں اور محنت کشوں کا ساتھ نہیں دے رہے اور تاریخی ضرورت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں اپنی صلاحیتیں نہیں لگا رہے عظیم انسان وہی ہے جو اپنی ساری زندگی اور تمام صلاحیتوں کو سماج کی ترقی کے عمل میں صرف کرے اور محنت کش عوام کو شعور دینے اور منظم اور متحرک کرنے کا کام کرے کیونکہ محنت کش عوام ہی نئے اور بلند سماجی نظام کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کر سکتے ہیں۔

لیڈر کی اصل طاقت ترقی پسند سماج اور سیاسی تحریک ہے جس کی وہ رہنمائی کرتا ہے اور جس کا وہ ساتھ دیتا ہے بڑا لیڈر وہ ہے جو تاریخ کی ترقی کے قوانین کا شعور رکھتا ہے اور سماج کی ترقی کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے اس کا احساس رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ ترقی کے تقاضوں کو کیوں کر پورا کیا جا سکتا ہے۔ وہی لیڈر زیادہ طاقت ور ہوگا جو مزدور طبقے کے مفادات کی خدمت کرے گا اور ان کا اعتماد اور ان کی حمایت بھی اسے حاصل ہوگی جب وہ ان کے مفادات کا ترجمان اور انکی سیاست کا راہنما ہوگا۔

فرد کی عقل، اس کا تجربہ اس کا حوصلہ اس کا عزم اور مستقل مزاجی وہ اوصاف ہیں جو تاریخی ضرورت کو پورا کرنے میں کام آتے ہیں اور جب اس کے اوصاف تاریخی ضروریات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے اہل ہوتے ہیں تو تاریخ میں اس کا رول اتنا ہی اہم اور مضبوط ہوتا ہے۔

محنت کش عوام کے لیڈر کارل مارکس، اینگلز اور لینن ایسے ہی اوصاف کے مالک تھے اور انہوں نے انسانی تاریخ پر ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں وہ نظریہ دان تھے، وہ آرگنائزر تھے، انہوں نے عوام کی تحریکیں پیدا کیں منظم کیں وہ ارادے کے پکے اور جری انسان تھے۔ انہیں عوام پر اعتماد اور اپنے کام پر یقین تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ حق اور انصاف پر ہیں اور تاریخی ضرورت کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔

مارکسزم افراد کے رول کا قائل ہے لیکن وہ شخصیت پرستی کے خلاف ہے۔ مارکس، اینگلز اور لینن نے شخصیت پرستی کی ہمیشہ مخالفت کی اور خوشامدانہ لہجے کو ناپسند کیا ہے اور انہوں نے انقلاب کی کامیابی کے لیے اجتماعی لیڈرشپ پر زور دیا ہے مارکسزم اصلاح احوال کے لیے تنقید اور خودتنقیدی پر زور دیتی ہے اور شخصیت پرستی کی اجازت نہیں دیتی اس لیے مارکسزم شخصیت پرستی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ شخصیت پرستی کی مخالفت کا مطلب یہ نہیں کہ پارٹی کی مرکزیت ختم کر دی جائے پارٹی کی مرکزیت کے بغیر پارٹی میں انتشار اور ڈھیلا پن آ جاتا ہے اور پارٹی اپنا انقلابی کردار ادا نہیں کر سکتی اور اپنے طبقاتی دشمنوں سے نہیں نپٹ سکتی۔ ☆☆

رسالہ عوامی جمہوریت کی پچاسویں سالگرہ

شاہ محمد مری

''آفاق محنت ایڈیشن'' بند ہوا تو پارٹی نے ہفت روزہ ''پارس'' لائل پور مستعار لے لیا۔ ظاہر ہے کہ ڈیکلریشن کسی اور کے نام تھی۔ یعنی اخبار کا مالک کوئی اور تھا۔ پارٹی نے اثر ورسوخ بمع کرایہ پر اُسے حاصل کیا تھا۔ میرے پاس اس کی فائل میں موجود اولین اخبار پر یکم جنوری 1968 کی تاریخ لکھی ہے۔ ''آفاق'' ہی کی طرح وہی آٹھ صفحے، سالانہ خریداری وہی آٹھ روپے، اور فی پرچہ کی قیمت وہی 20 پیسے۔

یہ اخبار ایک عجیب دور میں چلایا گیا۔ نیشنل عوامی پارٹی بظاہر مضبوط و مرکوز تھی مگر اندرونی طور پر گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ''پارس'' اُس گروہ کا ترجمان تھا جو سامراج دشمن، فیوڈلزم مخالف سیاست کرتا تھا اور جو طبقاتی بنیادوں پر سیاست کو استوار کرتا جارہا تھا۔

گو کہ پارٹی ایوب خان کی چین کے ساتھ دوستی کو پسند کرتی تھی مگر وہ اپنے اس موقف سے کبھی نہ ہٹی کہ ایوب ایک آمر تھا، ون مین ون ووٹ کا مخالف۔ ایوب پارلیمنٹ کو نہیں مانتا تھا اور بالائی جاگیردار طبقے کے مفادات کو تقویت پہنچاتا تھا۔

اس بارے میں ہم یکم جنوری 1968 کا پرچہ دیکھتے ہیں۔ اور اس میں موجود مضمون ''مولانا بھاشانی کا جواب'' دراصل صدر پاکستان اور پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ یعنی ایوب خان کے اُن حملوں کا جواب ہے جو اُس نے نیشنل عوامی پارٹی پر کیے تھے۔

بھاشانی نے ایوب کی بہتر حکومت کے دعوی کا مذاق اڑایا۔ اور اسے جمہوریت کا متبادل تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اس نے بنیادی انسانی حقوق پہ ڈاکہ ڈالنے کی ایوبی حکومت کے جرم کی نشاندہی کی اور بالغ رائے دہی کے حق کے لیے پارٹی کی جدوجہد کا اعادہ کیا۔ بھاشانی نے دونوں صوبوں (مشرقی اور مغربی پاکستان) کی خودمختاری کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اقلیتی صوبوں کی خود مختاری کا مطالبہ بھی کیا۔ جاگیرداری نظام کے خاتمے کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کی پارٹی پالیسی کا اعادہ کرنے کے ساتھ اُس نے امریکی سامراج سے تعلقات ختم کرنے پر زور دیا۔

اسی شمارے میں ایک اشتہار ہے: ''سوشلزم کے عملی مراکز''۔ جس میں سوشلسٹ لٹریچر ملنے کے مندرجہ ذیل مقامات کا تذکرہ ہے: پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور، عوامی کتاب گھر لاہور، مولوی غلام محمد ہاشمی لاہور، مکتبہ افکارِ نو ملتان، انٹرنیشنل بک ایجنسی مردان، حبیب اینڈ کمپنی راولپنڈی، پروگریسو بکس لائل پور، پیپلز بک ایجنسی گوجراں والہ۔ (ہم 2018 میں کتنے پیچھے چلے گئے!!)۔

1968 کے آٹھ جنوری کے شمارے میں ''یمن کی صورتحال'' کی سرخی دیکھ کر حیران ہوتا ہوں کہ ربع صدی بعد آج پھر وہی رجعتی سعودی اسرائیل گٹھ جوڑ ہے اور ایک بار پھر یمنی عوام کی وہی بکھری لاشیں ہیں۔ یہ کیا دنیا ہے!۔

22 جنوری 1968 کے شمارے میں ڈھائی صفحات پر مشتمل سی آر اسلم کا ایک انٹرویو چھپا ہے۔ وہ لائل پور کے میاں محمود احمد کے ہمراہ مشرقی پاکستان کے دورے سے حال ہی میں واپس آیا تھا۔ اس دورے کی دعوت انہیں مولانا عبدالحمید بھاشانی نے دی تھی۔ اس انٹرویو میں اُس وقت کے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں مزدوروں کسانوں کی تحریک کی فکری اور تنظیمی صورتحال پر تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں۔ اسی شمارے میں ابوالقاسم لاہوتی کی زندگی اور جدوجہد کے بارے میں بھی ایک مضمون ہے۔

19 فروری کے پارس میں ایک اشتہار چھپا ہے:

''فوری توجہ کی ضرورت

''پارس کے قدردانوں کی اطلاع کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس وقت ''پارس'' انتہائی مشکلات سے دوچار ہے۔ اگر اس کے بہی خواہوں نے اپنے بقایا جات ادا کر کے اور فوری طور پر عطیات ارسال کر کے اسے مالی مشکلات سے نجات نہ دلائی تو لاکھ افسوس کے باوجود اس کی اشاعت کا سلسلہ بند کرنا پڑے گا۔ سب دوستوں کو معلوم رہنا چاہیے کہ اگر ایسا کرنا پڑا تو ترقی پسند تحریک کے لیے یہ ایک عظیم سانحہ ہوگا۔ جس کی ذمہ داری ''پارس'' کے اُن قدردانوں پر پڑے گی جو بقایا جات ادا کرنے میں لیت ولعل کر رہے ہیں۔ اور وہ قدرشناس بھی اس سیاسی خسارے کا باعث بنیں گے جو عطیات سے ''پارس'' کی امداد نہیں کر رہے''۔

آدرشی لوگوں کے علاوہ اوپر والی عبارت شاید اور لوگوں کے لیے اتنی اہم نہ ہو۔ کسی روشن فکر رسالے کا بند ہو جانا تو اُس خطے کی ترقی پسند تحریک کے لیے واقعی ایک سانحہ ہوتا ہے۔ یہ بات 1848 میں بھی سچ تھی، 1948 میں بھی، اور آج 2018 میں بھی۔ ہماری طرف سے ''بس'' اسی بات کو زیادہ سمجھا جائے!!۔

26 فروری 1968 کے شمارے میں سی آر اسلم کی قیادت پر پختہ عزم پہ مبنی مضمون ہے جس کا عنوان ہے: متحدہ محاذ سے ہی عوامی جمہوریت قائم ہو سکتی ہے عنوان ہی مضمون کے مواد کی ترجمانی کرتا ہے۔

4 مارچ 1968 کے ''پارس'' نے پورا صفحہ ایک مضمون کے لیے وقف کیا: ''عوام کا سیاسی شعور بلند کرنے کی جدوجہد وقت کا تقاضا ہے''۔ میں مضمون نہیں پڑھ پا رہا ہوں۔ میں دیر تک عنوان پہ ہی اٹک گیا ہوں۔ یہ فقرہ تو دانشور کا مستقل اور پرائم کام ہے۔ گو کہ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے، ہمارے معاشرے کی ضروریات زیادہ ہیں اور وہ اپنے دانشور سے اور زیادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر نوجوان قاری! آپ یقین کریں کہ ایک زمانہ تھا جب دانشور سیاسی کارکن ہوتا تھا۔ سیاسی پارٹی گلی گلی میں ''موجود'' تھی، سیاسی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ہاں آج وہ صورت نہیں ہے۔ مشرقی یورپ میں پچھلی صدی کے اواخر میں تباہ کن عوامی شکست سے لے کر آج تک، سامراجی بلاک سے وابستہ ہر ریاست نے سیاست کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں، اُس کی ٹانگیں توڑ دیں۔ ہوائیں ایسی تند و تیز چلیں کہ جینوئن ارواح کو سالم کھڑا رہنا جان جوکھوں کا کام ہو گیا۔ ایسے میں سماج کی ضرورتیں، تقاضے بڑھیں گے ہی!!۔ لوگ اُس سے توقعات بھی بہت وابستہ کریں گے!!۔ بھئی بہت کام چاہیے، منظم و مربوط کام چاہیے۔ اتنا کام کہ ون مین تو کیا ون تھاؤزنڈ پہلوانوں کے بھی بس کی بات نہیں۔ اجتماع کی رسی کو تھامیے اور انسانیت کو طبقاتی بندھنوں سے آزاد کرنے کی طویل، کٹھن، اور بے مروت راہ کے راہی بن جائیے۔

اسی شمارے میں نیشنل عوامی پارٹی کی مشرقی پاکستان ونگ کی کونسل کی رپورٹ چھپی ہے، اس کا عنوان دلچسپ ہے: ''حب الوطنی اور عوام دوستی کی کسوٹی عوامی جمہوریت کی جدوجہد ہے''۔ سوچتا ہوں آج یہ کسوٹی کیا ہے!!۔ حب الوطنی اور عوام دوستی کی آج کی کسوٹی کیا ہے؟۔

ایک اور کمال بات ہے اس شمارے میں۔ پنجاب و بہاولپور نیشنل عوامی پارٹی کی کونسل کی میٹنگ کی رپورٹ میں موجود ذیلی سرخی، دیکھیے: ''پارلیمانی جمہوریت کے ذریعہ سوشلزم تک نہیں پہنچا جا سکتا''۔ اس پر بہت بحث کرنے کو دل کرتا ہے مگر میں تو آپ کا دامن پکڑ کر وہ انمول بات پڑھواتا ہوں جو اس شمارے کے آخری صفحہ میں ایک شعر کی صورت میں دی گئی:

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

(مجھے خوف ہے کہ کعبہ نہ پہنچ پاؤ گے اے شتر سوار۔ اس لیے کہ جس راہ پہ تُو جا رہا ہے وہ تو ترکستان جاتی ہے)۔

یہ شعر ہر سیاسی انقلابی ورکر کو زبانی یاد کر لینا چاہیے، اور ہمہ وقت دھراتے رہنا چاہیے۔ تا کہ اپنی سمت اور حکمتِ عملی کو بہتر بنایا جا سکے۔

11 مارچ 1968 کے شمارے میں افضل حسن نے ہو چی منھ کی شاعری کو چار بیت کی شکل میں ترجمہ کیا۔ یہ اس شمارے کے اولین صفحے کے عین بیچ ایک چوکھٹے کی صورت شائع کی گئی:

ہے یہ بہار پچھلی بہاروں سے شاندار
اب ہے نویدِ فتح سے دھرتی مہک رہی
پنجہ فگن ہے ملک مرا سامراج سے
آگے بڑھو کہ فتح یقیناً ہماری ہے

18 مارچ 1968 کے شمارے میں کسانوں کے مسائل پر خبریں اور قراردادیں ہیں۔ اسی طرح ویت نام پہ اپنے مستقل موقف کی مطابقت میں مضامین ہیں۔ لگتا ہے کہ پارٹی اُس وقت کمیونسٹ دنیا کے اتحاد کے لیے ویت نامی انقلاب کی حمایت کرنے کو بہت اہم سمجھتی تھی۔

ایک دلچسپ بات یہ نظر آتی ہے کہ اُس زمانے میں دنیا بھر کی طرح پاکستان کے اندر بھی روس اور چین اختلافات کے نام پر الگ الگ گروپ بن گئے تھے۔ مگر آفاق اور پارس اس کا حصہ نہ بنے۔ بلکہ 25 مارچ کے شمارے میں ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے: ''مبارک تبدیلی اور مزید تبدیلی کی ضرورت''۔ اس مضمون میں اُن پارٹیوں اور گروہوں کے نام لے لے کر انہیں سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جو روس چین اختلافات کو ہوا دے رہی تھیں۔ مضمون میں انہیں موقع پرست کہا گیا۔

پارس کے تقریباً ہر شمارے میں کتابوں بالخصوص مارکسی کتابوں پر تبصرے موجود ملیں گے۔

یکم اپریل 1968 کے شمارے میں اُس زمانے کے صوبہ سرحد (آج خیبر پختونخوا) میں نیشنل عوامی پارٹی کی ڈیلیگیٹ کانفرنس کی تفصیلات درج ہیں۔ اُن انتخابات میں مولانا شاد محمد صدر، میاں شاہین شاہ جنرل سیکریٹری، اور بنوں کے عبدالرزاق ایڈووکیٹ نائب صدر منتخب ہوئے تھے۔ (میرا افتخار کہ میں نے میاں شاہین شاہ اور رزاق لالا کی قیادت میں سیاسی کام کیا تھا)۔ اس حوالے سے وہاں کسانوں کے مسائل کے بارے میں بہت اہم اور بنیادی قراردادیں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں وہاں کسان تحریک کا نام تھا: سرحد صوبائی کسان جرگہ۔ جس کی صدارت میاں شاہین شاہ کے پاس تھی، اور مردان کے ذاکر اللہ خان اس کے نائب صدر تھے۔

ہفت روزہ پارس کے آٹھ اپریل کے شمارے میں ''کارل مارکس کی

ڈیڑھ سو سالہ سالگرہ' منانے کا فیصلہ اور اپیل کی گئی تھی۔ (آج 2018 میں دنیا اُس کی دوسویں سالہ سالگرہ منانے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اس فلاسفر میں کیا جادو ہے کہ اس کی مقبولیت وضرورت کم ہی نہیں ہوتی!!)۔

ہفت روزہ پارس نے اپنے پیش رو اخبار کی ہی پیروی میں ''مئی نمبر'' نکالا۔ اس میں ماؤزے تنگ کا ایک مضمون شامل ہے۔ جس کا عنوان ہے: ''ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کے قتل پر تبصرہ''۔ اس کے علاوہ ایک مضمون ''کارل مارکس'' پر ہے۔ یوم مئی کی تاریخ پہ ایک طویل ومفصل مضمون بھی ہے۔ ''عوامی جمہوریت'' نامی ایک مضمون سے دو ایسے منتخب ٹکڑے دے رہا ہوں جو آپ سیاسی کارکن اور دانشور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیے۔ یہ دو ٹکڑے کنفیوژن کا جن بھوت بھگانے میں آپ کی خوب مدد کریں گے۔

* ''سب سے پہلے سماج کا معاشی نظام (معاشی پیداواری رشتے) اس کے سیاسی نظام کو متعین کرتا ہے۔ اور پھر معاشی وسیاسی نظام اس کے تہذیبی نظام (کلچر) کو متعین کرتے ہیں۔ گویا کہ کسی ملک کا کلچر اس ملک میں موجود پیداواری رشتوں کا نظریاتی اظہار ہے اور اس کا سیاسی نظام بالذات نہیں ہوتا بلکہ اس ملک کے معاشی نظام سے متعین ہوتا ہے۔ سیاسی نظام وکلچر دونوں سماج کے اوپری ڈھانچے سے تعلق رکھتے ہیں''۔

* ''انگریز کی آمد کے بعد پاکستان کی خودکفیل معاشی زندگی ٹوٹ گئی۔ اور اس کی جگہ سکّے کی معاشی زندگی نے لے لی۔ جس کے رواج پا جانے سے ہر شئے جنس تجارت بن گئی''۔

1968 کے اِس مئی نمبر میں مزدور راہنما مرزا ابراہیم کا ایک تفصیلی انٹرویو بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل عوامی پارٹی کی سرگرمیوں کی رپورٹیں ہیں، اُس زمانے میں چھپنے والے سوشلسٹ لٹریچر پہ تبصرے ہیں اور مزدوروں کسانوں کی تنظیموں کی خبریں شامل ہیں۔ یہ 24 صفحات پر مشتمل خوبصورت یومِ مئی نمبر ہے۔ (اور یہ ایک اچھا خاصا ضخامت والا ایڈیشن ہے)۔

اگلے دو شماروں میں ملک بھر میں یومِ مئی کی تقریبات کا تذکرہ اور مقررین کی تقریروں کی چیدہ چیدہ ٹکڑیاں دی گئی ہیں۔ جاگیرداری اور سامراجی نظام کی مخالفت میں مضامین اور شاعری دی گئی ہے اور ہندوستان میں فرقہ پرستی کے بڑھتے ہوئے خطرات سے خبردار کیا گیا ہے۔

3 جون 1968 کے شمارے میں ایک مضمون ہے: ''مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وضاحت فرمائیں''۔ گو کہ یہ مضمون بھٹو کے اقتدار میں آنے سے قبل کا لکھا ہوا ہے مگر اس میں اُن ساری مُداریوں کے بارے میں سوالات، خدشات اور تنقیدیں موجود ہیں جو بھٹو نے بعد میں اقتدار میں آکر عملاً کیے۔ اُس کی سامراج نوازی، سرمایہ پرستی اور فیوڈلزم کی برقراری والی پالیسیوں پر مبنی اُس کی آئندہ سیاست کی اتنی خوبصورت پیش گوئی کی گئی جو بعد میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں۔

24 جون کا پارس شاید وضاحت کے ساتھ پارٹی اختلافات پر بات کرتا ہے۔ سوال اٹھایا گیا کہ پارٹی کی قیادت کونسا طبقہ یا، اُس طبقے کا نظریہ کرے۔ اگر محکوم طبقے نے قیادت کرنی ہے تو یہ سوال اپنے ساتھ اگلی ذمہ داری بھی لیے ہوئے تھا۔ اگر نچلے طبقات کے نظریے نے پارٹی قیادت کرنی ہے تو پھر خود اُن طبقاتی تنظیموں اور تحریکوں کو مضبوط ہونا ہوگا۔ یعنی مزدور فیڈریشن اور کسان کمیٹی جس قدر مضبوط ہوگی اسی قدر امکانات بڑھیں گے کہ وہ نیشنل عوامی پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی بن سکیں۔ لہٰذا نظریہ جتنا ضروری ہے، طبقاتی تنظیموں کی تنظیم اور شعور بھی اتنا ہی ضروری ہوتا ہے۔

جولائی 1968 میں سی آر اسلم نیپ مغربی پاکستان کا صدر منتخب ہوا اور میاں شاہین شاہ جنرل سیکریٹری۔ یہ گویا مغربی پاکستان کی حد تک نیشنل عوامی پارٹی کی قیادت حتمی طور پر سوشلسٹ نظریات والے لوگوں کے ہاتھ میں جانے کی بات تھی۔

15 جولائی 1968 کے پارس میں واضح طور پر کہا گیا کہ مزدوروں کسانوں، درمیانہ طبقہ، اور انقلابی دانشوروں کے اشتراک عمل سے سوشلزم کا حصول پارٹی کا نصب العین ہوگا۔

*** اسی زمانے میں پارس اخبار کے ساتھ ساتھ پارٹی نے ''نگار'' لاہور کے مالکان سے بھی ہفتہ وار اشاعت کا تعاون حاصل کیا۔ یوں بہ یک وقت دو اخبار پارٹی کی ترجمانی کرنے لگے۔

''نگار'' نے بھی وہی نظریاتی لڑائی جاری رکھی۔ حتیٰ کہ اس کے 25 دسمبر 1968 کے شمارے میں نیپ جھنگ کے اجلاس میں سرے سے پارٹی کا نام نیشنل عوامی پارٹی کے بجائے سوشلسٹ پارٹی رکھنے کا مطالبہ کر ڈالا۔

پارٹی نے اِن کرائے یا مانگے تانگے کے اخبارات کو اُس وقت تک مورچہ بنائے رکھا جب بالآخر 1969 میں ہفت روزہ ''عوامی جمہوریت'' کی ڈیکلریشن حاصل ہوئی۔ یہ ڈیکلریشن ہمارے محبوب مرحوم دوست خواجہ رفیق کے نام سے ملی۔ ہم اسی ہفت روزہ ''عوامی جمہوریت'' کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ ☆☆

ممتاز شاعر اور نغمہ نگار جاوید اختر کی تازہ نظم

نیا حکم نامہ

کسی کا حکم ہے
ساری ہوائیں
ہمیشہ چلنے سے پہلے بتائیں
کہ ان کی سمت کیا ہے
ہواؤں کو بتانا یہ بھی ہوگا
چلیں گی جب تو کیا رفتار ہوگی
کہ آندھی کی اجازت اب نہیں ہے
ہماری ریت کی سب یہ فصیلیں
یہ کاغذ کے محل جو بن رہے ہیں
حفاظت کرنا ان کی ہے ضروری
اور آندھی ہے پرانی ان کی دشمن

☆

کسی کا حکم ہے
دریا کی لہریں
ذرا یہ سرکشی کم کرلیں
اپنی حد میں ٹھہریں
ابھرنا اور بکھرنا
اور بکھر کر پھر ابھرنا
غلط ہے ان کا یہ ہنگامہ کرنا
یہ سب ہے صرف وحشت کی علامت
بغاوت کی علامت ہے
بغاوت تو نہیں برداشت ہوگی
یہ وحشت تو نہیں برداشت ہوگی
اگر لہروں کو ہے دریا میں رہنا
تو ان کو ہوگا اب چپ چاپ بہنا

☆☆

کسی کا حکم ہے اس گلستاں میں
بس اب اک رنگ کے ہی
پھول ہوں گے
کچھ افسر ہوں گے
جو یہ طے کریں گے
گلستاں کس طرح بننا ہے کل کا
یقیناً پھول یک رنگی تو ہوں گے
مگر یہ رنگ ہوگا
کتنا گہرا کتنا ہلکا
یہ افسر طے کریں گے

☆☆☆

کسی کو یہ کوئی کیسے بتائے
گلستاں میں کہیں بھی
پھول یک رنگی نہیں ہوتے
کبھی ہو ہی نہیں سکتے
کہ ہر اک رنگ میں چھپ کر
بہت سے رنگ رہتے ہیں
جنہوں نے باغ
یک رنگی بنانا چاہے تھے
ان کو ذرا دیکھو
کب جب اک رنگ میں
سو رنگ ظاہر ہو گئے ہیں تو
وہ اب کتنے پریشاں ہیں
وہ کتنے تنگ رہتے ہیں

☆☆☆☆

کسی کو یہ کوئی کیسے بتائے
ہوائیں اور لہریں
کب کسی کا حکم سنتی ہیں
ہوائیں
حاکموں کی مٹھیوں میں
ہتھکڑی میں قید خانوں میں
نہیں رکتیں
یہ لہریں
روکی جاتی ہیں
تو دریا کتنا بھی ہو پرسکوں
بیتاب ہوتا ہے
اور اس بیتابی کا اگلا قدم
سیلاب ہوتا ہے
کسی کو کوئی یہ کیسے بتائے؟

☆☆☆☆

ٹریڈ یونین تحریک کے بنیادی تقاضے

عابد شکیل فاروقی

انسانوں کی اس دنیا میں صنعتی انقلاب نے اور کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر حال ایک کام اس انقلاب نے نہایت مضبوط بنیادوں پر کیا کہ انسانوں کے مابین دو واضح طبقات اور تضادات کی شکل متعین کر دی اور ان پر، ہر دو طبقات کے مفادات ان کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ظاہر کر دیئے، یعنی وسائل اور زرائع پیداوار کا مالک، اور قوت پیداوار کا مالک، دوسرے لفظوں میں صنعتکار اور محنت کش جنکے مفادات ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکراؤ کی کیفیت میں رہتے ہیں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک کا مفاد دوسرے کے مفاد کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل ہو جائے، یعنی سرمایہ دار بھی خوش رہے اور مزدور بھی مطمئن ہو کر زندگی گزار سکے، یہ ایک خوش کن امید تو ہوسکتی ہے مگر حقیقت میں تبدیل نہیں ہوسکتی، دونوں طبقات ہمیشہ اپنے جائز و ناجائز مفادات کے حصول کی خاطر ایک دوسرے سے متصادم رہتے ہیں، اس جنگ میں زرائع پر قابض طبقے کے پاس نہ صرف یہ کہ کل پیداوار کی ملکیت ہوتی ہے بلکہ اس تحفظ کے لئے نوکر شاہی، پولیس اور فوج کی طاقت بھی ہوتی ہے، ریاست کی ساری مشینری اس کے تحفظ کے لئے سرگرم رہتی ہے، جبکہ محنت کش محکوم طبقہ، غاصبوں کے خلاف جدوجہد کرتا ہے، ۔ اس لمحے اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مزدور طبقہ اپنی جدوجہد مکمل طور پر نظریاتی، سیاسی ہتھیاروں سے لیس ہو کر شروع کرے، یعنی وہ یہ جدوجہد کس بلند مقصد، کن کن طریقوں پر، اور کس نتیجے کے لئے شروع کرے ان سوالوں کے جواب کے لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے ایک ٹھوس اور منظم تنظیم کی جسکا اپنا ایک سیاسی پروگرام بھی ہو اور جس کی ایک دور اندیش قیادت بھی ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ جدوجہد ایک ہی مرحلے میں شروع ہو کر کامیاب ہوسکتی ہے کہ کسی وقتی مسئلے سے پریشان حال عوام کو جمع کیا نعرے لگوائے، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ کرایا اور زمین کو انسانی خون سے سرخ کر دیا، یہ سارا عمل انارکی یعنی غیر منظم اور بے ترتیب لڑائی تو ہوسکتی ہے لیکن ایک درست سمت میں لڑنے والی لڑائی نہیں، اس کے برعکس قانون پسندی کے نام پر، Liberalism کا فروغ اس سے زیادہ خطرناک ہے یہ سوچ چھوٹے صنعتکار طبقے یا درمیانی طبقے کی خاصیت ہے جس کی بنیاد خود غرضی پر قائم ہوتی ہے، یہ نام نہاد آزادی صرف شخصی مفادات کو اہمیت دیتی ہے جس کو عرف عام شخصی آزادی کہتے ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی بنیادی خاصیت ہوتی ہے جس میں انسان کو لوٹنے، مارنے، اور خود کو لٹنے کے لئے پیش کرنے کی شخصی آزادی ہوتی ہے، یہی نام نہاد شخصی آزادی آگے چل کر انقلابی مفادات کو نقصان پہنچاتی ہے، یہ دراصل موقع پرستی کی ایک شکل ہے جبکہ ہمیں موقع پرستی اور انارکی دونوں سے مزدور تحریک کو بچاتے ہوئے آگے لے جانا ہے اور اس کام کے لئے ٹریڈ یونین ایک بنیادی اسکول کی حیثیت ادا کرتی ہے۔ اگرچہ ٹریڈ یونین ازم، صنعتی انقلاب سے پیدا ہونے والی سماج کی پیداوار ہے اور یہ کارخانہ دار طبقہ ٹریڈ یونین قوانین بھی اپنی مرضی سے بنواتا ہے جس کی وجہ سے آج یہ ٹریڈ یونین صرف سودے کار انجمن بن کر رہ گئی ہے جسے حکمراں طبقہ (جو اقتدار میں ہو یا اقتدار سے باہر ہو) ہمیشہ اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن ٹریڈ یونین بنیادی طور پر جدوجہد کا ایک پلیٹ فارم ہے جہاں مزدور ایک جگہ جمع ہو کر اپنے لئے اور اپنے جیسے دیگر لوگوں کے لئے اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے غور فکر کر سکتے ہیں اور اپنی برادری کی منتشر قوت کو ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے متحدہ طاقت کی شکل دے سکتے ہیں، یہی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب مزدور اپنی سیاسی سوچ سے مسلح ہو کر ایک سچے ٹریڈ یونینسٹ اور ایک عام سطحی اور ایک انقلابی لفاظی کے حامل نام نہاد مزدور رہنماء کے لئے فیصلے اور عمل کا وقت ہوتا ہے، اس موقع پر نام نہاد انقلابی مزدور لیڈر کوشش کرے گا کہ مزدوروں کا اتحاد کسی تحریک کی شکل میں تبدیل نہ ہونے پائے اور صرف دو چار آنے کی لڑائی ہی ٹریڈ یونین کا مقصد متعین ہو جائے جبکہ مزدوروں کے سیاسی اور نظریاتی فکر سے آراستہ ایک مزدور لیڈر صرف دو چار

آنے کی لڑائی سے مطمئن نہیں ہوگا وہ اس پلیٹ فارم کو مزدوروں کی سیاسی اور نظریاتی تربیت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کریگا جو کہ انصاف اور مساوات پر مبنی معاشرے کے قیام اور پیداوار میں مساوی حصے کے حصول کے لئے ایک منظم اور طویل جدوجہد کے آغاز کا مرحلہ ہوگا کیونکہ ٹریڈ یونین بہر حال خود کوئی انقلابی پلیٹ فارم نہیں ہوتا بلکہ یہ انقلابی تحریکوں کے لئے ایک مددگار دستہ ہوسکتا ہے۔

لیکن ہمارے ہاں مزدور برادری کا المیہ یہ رہا ہے کہ انکو انقلابی لفاظی کا عادی بنا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان کے حکمران طبقے شروع سے آج تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے آرہے ہیں لیکن اگر کوئی مزدور رہنماء حکمرانوں کی اس سیاسی چال بازیوں سے بچ نکلتا ہے تو وہ ٹریڈ یونین کو انقلابی جدوجہد کا پہلا مرحلہ سمجھنے کی بجائے خود اسے انقلابی پارٹی بنا کر مزدوروں کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیتا ہے جسکے نتیجے میں کریسنٹ مل لائل پور میں 1958 کا سال قیامت بن کر آتا ہے اور کبھی کراچی کے مزدور 1972 کے سال کو تاریخ کے صفحات پر اپنے خون سے رقم کرتے ہیں۔ جدوجہد کے آغاز سے لیکر منزل کے حصول تک کے درمیان جو فاصلہ یا وقت ہوتا ہے یہاں ہمیشہ اسکو پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش ہوتی رہی ہے، وہ پروگرام جسے تنظیم کہتے ہیں، وہ لائحہ عمل جسے تعلیم کہتے ہیں اور وہ لمحہ جسے تعظیم کہتے ہیں ہمیشہ ہی مزدور تحریک کی آنکھوں سے دانستہ اوجھل رکھا گیا اور اس عمل میں وہ نام نہاد مزدور رہنماء پیش پیش رہے جو آج بھی حکمرانوں سے لاتعداد مراعات اور سہولیات لے کر عالیشان زندگی کی ہر آسائش سے مزین مزدور لیڈری کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو قائد مزدور اور نہ جانے کیا القابات اور خطابات سے نوازتے ہوئے بے شرم بنے ہوئے ہیں اور جب تک یہ نام نہاد قائدین اور مزدوروں کے ہر دل عزیز رہنما ہمارے سروں پر مسلط رہیں گے اس وقت تک وہ پروگرام، لائحہ عمل تحریک کی صورت میں روبہ عمل نہیں ہوسکتا، جسے تنظیم، تعلیم، اور تعظیم کہتے ہیں اور ہم ہر سال اسی روائتی طریقے سے یکم مئی کو جلسے کرتے رہیں گے، تقریریں کریں گے اور اگلے سال کی یکم مئی کی چھٹی کا انتظار کرتے رہیں گے۔

☆☆☆

آہ عاصمہ جہانگیر (گلگت بلتستان کے عوام کی عاصمہ جہانگیر سے محبت کا اظہار)

اکرام اللہ بیگ

غریبوں محکوموں بے آسروں کی آسرا، ناامیدوں کی امید، لاوارثوں یتیموں کی وارث، عاصمہ جہانگیر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں، انسانیت، جمہوریت، اور تحریک نسواں کی علمبردار، نڈر، بیباک، جرات مند، اور روشن خیال فکر کی ملکہ عاصمہ نے جمہوریت کے دشمنوں، انسانیت کے قاتلوں بادشاہت کے پرستاروں ملکی عوامی آئین کے جلادوں، کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنکر پاکستان کے، ناپاکوں کے خلاف جنگ میں سپہ سالار کا کردار ادا کیا، آج ملک کے ہر انسان کو اشکبار کر کے خود خاک پاکستان میں ہمیشہ کے لئے سوگئی جبکہ زندگی میں وہ ہمیشہ سوتے والوں کو جگاتی رہیں۔

راقم کی عاصمہ جہانگیر سے خط و کتابت کارگل کی غیر اعلانیہ جنگ کے زمانے میں ہوئی، ہیرو بننے کے شوق میں اس ملک کی آمرانہ ادوار کے دوسرے "جنرل ضیاء"، جنرل پرویز مشرف کی جانب سے غیر اعلانیہ جنگ کارگل نے بلورستان کے بہادر سپاہیوں، NLI کے چار سو کے قریب نوجوانوں، ماؤں کے بیٹوں، بہنوں کے آنچل، اولادوں کے وارثین کو، امن کے متوالوں، ریاستی جنگ کے سپہ سالاروں کو بغیر وردی، اور بغیر راشن، مجاہدین کے نام پر، دہشت گردوں کے روپ میں دراس سیکٹر سے روانہ کر کے، جنگی سوچ کے مالکوں نے بے مقصد، بے بنیاد جنگ کی آگ کے شعلوں میں دھکیل دیا، جسکے خلاف ہنزہ میں KMN کے پلیٹ فارم سے جنگ بندی کے لئے پرامن مظاہرہ کرنے والوں کیساتھ، تھانوں میں، اپنوں کے ہاتھوں دشمن کا کردار ادا کیا ان پر تشدد کیا گیا آواز بلند کرنے والوں کو، امن کی فاختاؤں کو، دشمن کے ایجنڈوں نے زدوکوب کر کے ملک دشمن عناصر بنانے کی ناکام کوشش کی۔ زور زبردستی حکومت کرنے والے، پردے کے پیچھے، نقاب میں چھپ کر، فلاحی اداروں، ایجنسیوں کے ذریعے، دھونس اور خوف و ہراس پھیلانے کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا، ایسے وقتوں میں ریاستی غنڈوں اور قومی مجرمان کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے قوم کی بہادر بیٹی اور امید کی کرن عاصمہ جہانگیر کو خط و کتابت کے ذریعے پکارا تو انسانی حقوق کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے بربریت لاقانونیت اور قتل غارت گری کو روکنے کے لئے، کارگل جنگ کی تحقیقات، اور مفت میں سپہ سالاروں کو دہشت گردوں کے لبادے میں دراس سیکٹر سے کراس کرنے سے روکنے کا مطالبہ کیا، مگر ہمارے اپنے ہی دشمنوں سے زیادہ ہمارے دشمن نکلے، غذر، سکردو اور ہنزہ نگر کے شہیدوں کو گیدڑوں کے حوالے کردیا۔

عاصمہ جہانگیر نے زور زبردستی، صدر رہنما جنرل مشرف کے وزیر خارجہ سے بلورستان کے چار سو فوجی جوانوں کو زندہ یا مردہ ثابت کرنے کا مطالبہ کیا، تو مقتدر عسکری قوتوں

کے ترجمان ہنزہ آکر گنش گاؤں ہنزہ کے عاشق حسین کے زندہ ہونے کا دعوی کر کے گئے، والدین کو حوصلہ دیا، مگر 19 سال ہونے والے ہیں نہ وہ چھٹی پر گھر آیا، نہ پینشن ہوا، ، چپورسن ہنزہ کا نائب صوبیدار رحمان بھی مارا گیا لیکن اتنے سالوں سے ان راستوں کو تکتے، صوبیدار رحمان کے گھر والوں کی آنکھوں کی روشنی بھی ماند پڑ گئی ، مگر اسکا کچھ پتہ نہ چلا۔

عاصمہ کی موت کی خبر دراس سیکٹر اور کارگل محاذ پہنچی تو لاوارث شہیدوں کی ہڈیاں بھی کڑکڑانے لگیں کارگل کے پہاڑوں سے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں، ان پر جمی برف کے آنسوؤں کے سیلاب سے تمام راستے بند ہو گئے، آسمان وزمین آہ وزاریاں کرنے لگے پہاڑ سرکنے لگے، عاصمہ جہانگیر کی موت بلورستان والوں کے لئے فروری کا مہینہ 2/11 ثابت ہوا، جیل کے سلاخوں میں قید سیاسی کارکنوں پر آفت نازل ہوئی سیاسی انتقام کے کھلاڑیوں کے لئے اب کھیل کھیلنا آسان ہو گیا، انکا آخری دورہ گلگت بلتستان بلورستان بالخصوص ہنزہ ہمیشہ کے لئے آخری دورہ ثابت ہوا، 11/8 سانحہ علی آباد ہنزہ میں باپ بیٹے کے وحشیانہ قتل کے بعد کی صورتحال اور بابا جان سمیت سیاسی کارکنوں پر جھوٹے بے بنیاد الزامات کے تحت لاہوری جج رانا شمیم، کے ذریعے سیاسی انتقام کا بدلہ لینے کے لئے ایک مقامی محمود ایاز، کی درخواست پر ضمنی انتخابات میں بابا جان کی جیت سے خوف زدہ ہو کر تین مرتبہ انتخابات ملتوی کرائے گئے اور 40 سال کی سزا سنا دی گئی، پھر چوتھی مرتبہ ضمنی انتخابات منعقد کر کے گورنر غضنفر علی کے بڑے بیٹے سلیم خان کو ایجنسیوں نے جتوا دیا، تب سے اب تک اہل ہنزہ روشنی سے محروم ہیں، عوامی قیادت سے محروم عوام ترقیاتی فنڈ سے بھی محروم ہو گئے ہیں، عدالتی سزا کی خبر سنکر شکر اللہ بیگ کی بہن نے خودکشی کر لی، یہ سارے سانحات اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے لئے پچھلے سال عاصمہ جہانگیر کا دورہ گلگت ہنزہ آخری ثابت ہوا اس دوران ان کے ساتھ ایک گھنٹہ چالیس منٹ کی ملاقات، جسمیں حقیقی زمینی صورتحال سنکر انکے اولین کلمات یہ ہی تھے کہ آپ سے کیس کے لئے بہت مضبوط مواد حاصل ہوا، دوسرا سوال آپ سے یہ ہے کہ آپ کے لئے بابا جان سمیت نوجوانوں کی رہائی اہم ہے یا ضمنی انتخابات، اس پر تمام نے یکجا ہو کر کہا کہ ہمارے لئے بابا جان سمیت پندرہ نوجوان زیادہ اہم ہیں، عاصمہ نے کہا کہ مجھے پہلے عدالتی جنگ لڑنے کی اجازت دی جائے اور اس کے لئے با اعتماد وکلاء کا ایک وفد تشکیل دیا جائے تا کہ باوقت ضرورت اسکی مدد حاصل کی جا سکے، وفد نے امجد ایڈووکیٹ، احسان ایڈووکیٹ، اور نذیر ایڈووکیٹ کے نام تجویز کئے جس پر عاصمہ جہانگیر نے دوسرے دن ملاقات طے کی اور تینوں نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

عاصمہ جہانگیر آپ سفر آخرت پر جاتے ہوئے ملک کی 52 فیصد خواتین کو اپنے آخری سفر میں یکجا کر کے برابری کی بنیاد پر ایک ساتھ کھڑا کر دیا اور ہمیشہ کے لئے انکو بحیثیت انسان برابر کا رتبہ دے گئیں، آپ کی شخصیت سے ایک اور حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ ہماری دنیا میں کچھ لوگ زندہ ہو کر بھی مردوں کی زندگی جی رہے ہیں، مگر آپ نے بتایا کہ کوئی انسان مر کر بھی کیسے زندہ جاوید ہو سکتا ہے۔ سرخ سلام ہو۔ ☆☆

عوامی ورکرز پارٹی کی ملک بھر میں جاری سیاسی سرگرمیوں پر ایک نظر

(ترتیب وتدوین: عابد شکیل فاروقی)

☆ **عوامی ورکرز پارٹی بدھا** کے زیر اہتمام، اپریل کے پہلے اور تیسرے ہفتے میں دو پندرہ روزہ حسن ناصر فکری نشست، ضلعی کمیٹی کے دفتر میں منعقد ہوئیں، جسکے نمایاں مقرر کامریڈ اثر امام اور کامریڈ رحیم چنا اور سدیر پنہور تھے پہلی نشست میں کامریڈ غلام محمد لغاری کی زندگی اور انکی کسانوں کے حقوق کے لئے کی گئی جدوجہد پر روشنی ڈالی، جبکہ نشست سے صدارتی خطاب پارٹی کے صوبائی نائب صدر کامریڈ اثر امام نے کیا جبکہ دوسری نشست کے نمایاں مقرر کامریڈ ظفر سنجرانی تھے جنہوں نے جوڈیشل مارشل لاء پر روشنی ڈالی، اس موقع پر کامریڈ رحیم چنا، وحید کندھرو، اسرار نوناری اور دوسرے کامریڈ ساتھیوں نے بھی موضوع کی مناسبت سے بحث میں حصہ لیا۔

☆ **عوامی ورکرز پارٹی ہنزہ**، نے مورخہ 24 اپریل کو ہنزہ نگر ایکشن کمیٹی کے ساتھ علی آباد میں اجلاس کا انعقاد کیا، کمیٹی نے مندرجہ ذیل علاقائی مسائل کے حوالے سے اپنی انتہائی تشویش کا اظہار کیا:

'اجلاس کے شرکاء نے سوست ڈرائی پورٹ کی مقامی آبادی اور حصص یافتگان کی اکثریت کی رضامندی کے بغیر این ایل سی کو حوالگی کی شدید مذمت کی۔

خالصہ سرکار کے بنائے لینڈ قوانین کی شدید مذمت کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ ان قوانین کی شدید مزاحمت کی جائیگی۔

کے کے ایچ لینڈ متاثرین کو معاوضے کی ادائیگی میں تاخیر، جسکے حصول کے لئے آخری حد تک جدوجہد کی جائیگی۔

چین میں کاروبار کرنے والوں پر کسٹم کی جانب سے بزور قوت ٹیکس کی وصولی کی شدید مذمت کی گئی، اور فیصلہ کیا گیا کہ نمائندگی کے بغیر ٹیکس نامنظور

☆ شکاگو کے شہدا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اور محنت کشوں کے عالمی دن کے موقع پر تجدید عہد کے لئے عوامی ورکرز پارٹی اور پاکستان ٹریڈ

یونین فیڈریشن کیزیر اہتمام ملک مختلف شہروں میں ریلیوں اور جلسوں کا اہتمام کیا گیا، جن میں محنت کشوں اور پارٹی کارکنوں کی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

☆ **کراچی پارٹی نے پی ٹی یو ایف** کے ساتھ ایک مشترکہ ریلی نکالی، ریلی ریگل چوک سے شروع ہوکر پریس کلب پر ختم ہوئی، ریلی کے شرکاء سے دیگر مقررین کے علاوہ پارٹی کے ضلعی سیکریٹری کامریڈ شفیع شیخ، کے علاوہ پی ٹی یو ایف کی مرکزی رہنماء محترمہ کنیز فاطمہ نے خطاب کیا، جبکہ پارٹی کے ضلعی صدر، نائب صدر کامریڈ عثمان بلوچ اور کامریڈ جمیل شاہد نے دیگر رہنماؤں کے ہمراہ ریلی کی قیادت کی، مقررین نے اپنی تقاریر میں محنت کشوں کے مسائل کا ذکر کیا۔

☆ **عوامی ورکرز پارٹی لاہور** نے پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے کا رکنوں ساتھ، یوم مئی مزدوروں کا عالمی دن اور مارکس کی دوسویں سالگرہ کے موقع پر مشترکہ طور پر ریلی کا انعقاد کیا جو کہ 5 میکلوڈ روڈ سے شروع ہوکر لاہور پریس کلب پر اختتام پزیر ہوئی، علاوہ ازیں اس موقع پر ایک پروگرام کا انعقاد کیا جس میں مزدوروں کے حقوق، قوانین، اور جدوجہد پر گفتگو کی گئی اس موقع پر میوزیکل پروگرام اور بابا نجمی نے اپنا انقلابی کلام بھی حاضرین کے سامنے پیش کیا گیا۔

☆ **عوامی ورکرز پارٹی ضلع اوکاڑہ، دیپال پور**، کے زیر اہتمام یوم مئی کے موقع پر جناح ہال دیپال پور میں عبدالرزاق کی صدارت میں ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا جس کے مہمان خصوصی پارٹی کے صوبائی سیکریٹری تعلیم وتربیت پروفیسر امیر حمزہ ورک تھے، جلسے سے صوبائی جنرل سیکریٹری سید احتشام اکبر، ضلعی سیکریٹری تعلیم وتربیت پروفیسر محمد حسن وٹو، رانا اورنگ زیب اور چوہدری وسیم علی کبیر نے خطاب کیا مقررین نے اپنے اپنے خطاب میں پاکستان میں طبقاتی جدوجہد کو منظم کرنے پر زور دیا، انہوں نے ملک میں زرعی اصلاحات کر کے جاگیردارانہ نظام کو توڑنے اور زمین کی حد ملکیت 25 ایکڑ کرنے اور انتخابات بارے سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا۔ جلسے میں مطالبہ کیا گیا کہ بجلی وگیس کی لوڈ شیڈنگ ختم کی جائے، بجلی کے نرخوں میں کمی جائے، مہنگائی وبیروزگاری کا خاتمہ کیا جائے، لیبر قوانین پر عمل درآمد کیا جائے۔ جلسے میں فنکار آرٹس کونسل دیپال پور کے فنکاروں نے یوم مئی کی مناسبت سے ایک خاکہ پیش کیا، جلسے کے اختتام پر بلدیہ سے مدینہ چوک تک ایک ریلی نکالی گئی۔

☆ **عوامی ورکرز پارٹی نارتھ انگلینڈ اور ساؤتھ ایشین پیپلز فورم** کے زیر اہتمام، یوم مئی کی مناسبت سے نیو کاسل، برطانیہ میں ایک سیمنار بعنوان ''محنت کش طبقہ اور سائنٹیفک ترقی'' منعقد ہوا، جس سے کمیونسٹ پارٹی برطانیہ کے ریجنل سیکریٹری مارٹن لیوی، محمد تاج، سابقہ صدر ٹریڈ یونین کانگریس برطانیہ، عبدلرشید سرابھا، صدر عوامی ورکرز پارٹی نارتھ انگلینڈ، پرویز فتح، نزہت عباس، زاکر حسین، Councillor Chris Mcengh نے خطاب کیا، پروگرام کا دوسرا حصہ انقلابی شاعری کے لئے مختص تھا، جسمیں، جناب تارا سنگھ تارا رشید سرابھا، نزہت عباس اور دیگر نے حصہ لیا۔

☆ **یوم مئی کی مناسبت سے ٹریڈ یونین الائینس** کی جانب سے سانگھڑ میں ایک ریلی کا انعقاد کیا گیا، ریلی میں عوامی ورکرز پارٹی، واپڈا ایمپلائز یونین محکمہ اریگیشن ایمپلائز یونین، پی۔ٹی۔یو۔ایف، اساتذہ تنظیمیں، محنت کش، مزدور یونینز، طلباء کی بڑی تعداد نے شرکت کی، ریلی سے عوامی ورکرز پارٹی کے خلیل بلوچ، قیوم لانڈر، واپڈا کے شبیر نظامانی، اریگیشن کے خان محمد نظامانی، اور مزدور رہنماء محبوب خاصخیلی، اور میر حسن مری اور دیگر نے خطاب کیا۔

☆ **پاکستان ٹریڈ یونین فیدریشن لاڑکانہ** کی جانب سے لاڑکانہ میں یوم مئی کے موقع پر ایک جلسے کا اہتمام کیا گیا، جس عوامی ورکرز پارٹی کے سینئر نائب صدر یوسف مستی خان، مرکزی سیکریٹری اختر حسین، صوبائی نائب صدر کامریڈ اثر امام، کامریڈ لطیف لغاری، صوبائی سیکریٹری یونس راہو،، پی ٹی یو ایف کے مرکزی رہنماء کامریڈ روشن کلہوڑو، نے خطاب کیا جلسے میں ضلعی پارٹی کے کارکنان اور مزدوروں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔

☆ **عوامی ورکرز پارٹی فیصل آباد** کے زیر اہتمام، یکم مئی کو مئی ڈے کی مناسبت سے ضلع کونسل پر ایک جلسے اور ریلی کا اہتمام کیا گیا۔ جبکہ یکم مئی کے دن عوامی ورکرز پارٹی ملتان نے بھی محنت کشوں کے ساتھ دن کی اہمیت کی ناسبت سے پروگرام کا انعقاد کیا۔

☆ شکاگو کے شہدا کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے **عوامی ورکرز پارٹی کراچی (گلشن یونٹ)** نے ایک مشاعرے کا انعقاد کیا، مشاعرے میں کراچی کے نامور شعراء کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، مشاعرے کی نظامت جناب حامد علی سید نے کی جبکہ صدارت جناب رونق حیات نے کی، مشاعرے کے آغاز پر یونٹ کی صدر کامریڈ خلیل صدیقی نے مہمانوں کو پارٹی کے منشور سے آگاہ کیا۔ مشاعرے میں شعراء کرام محترم رونق حیات، ڈاکٹر مختار حیات، محترم یوسف اسماعیل محترم نعیم سمیع، محترم ذوالفقار پرواز، محترم عرفان اعظمی، محترم سلمان صدیقی، محترم شکیل جعفری، محترم توقیر چغتائی، محترم علی اوسط جعفری، محترم صفدر علی انشاء، محترم سعد الدین سعد، محترم سہیل شہزاد، محترم مشرف رضوی اور محترم منظور رضی

نے اپنی تخلیقات کے ذریعے شکاگو کے شہداء کو خراج عقیدت پیش کیا اور سامعین سے خوب داد تحسین وصول کی۔ صدر مشاعرہ محترم رونق حیات نے اپنا کلام پیش کرنے قبل اپنی مختصر سی گفتگو میں عوامی ورکرز پارٹی کی جدوجہد کو سراہتے ہوئے اپنی خدمات پیش کی اور کہا کہ محنت کشوں کے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں ہم تمام ترقی پسند اہل قلم اس تحریک میں آپکے ساتھ ہیں (رپورٹ اشتیاق اعظمی)

☆ **عوامی ورکرز پارٹی لاہور** کے زیر اہتمام مئی کے پہلے ہفتے میں محنت کشوں کے عظیم خیر خواہ کارل مارکس کی دوسویں سالگرہ کا اہتمام کیا گیا، جسکے لئے دو نمایاں مقررین راجہ ولایت اور حنیف گورایہ کو مدعو کیا گیا، جنہوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ، آج کی موجودہ صورتحال سے مارکس ازم کا تعلق بیان کیا۔

☆ مورخہ 12 مئی کو **ساہیوال میں عوامی ورکرز پارٹی پنجاب** کے جنرل سیکریٹری سید احتشام اکبر اور سیکریٹری تعلیم وتربیت امیر حمزہ ورک نے ساہیوال پارٹی کے آرگنائزر حماد افضل سے تنظیمی امور پر گفتگو کی اور آئندہ کی حکمت عملی طے کی۔

سیاسی صورتحال پر اے ڈبلیو پی کی سیاسی قرارداد

☆ عوامی ورکرز پارٹی (اے ڈبلیو پی) تمام ترقی پسند اور جمہوری قوتوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ متحد ہو کر عوامی مزاحمتی تحریکوں کے حاصلات کے اوپر ایک مضبوط اور متبادل تحریک تعمیر کریں اور ان مقبول مطالبات جسمیں سکیورٹی اداروں اور جمود کے حامی حکمرانوں طبقوں کے سیاسی قوتوں کا احتساب شامل ہے، پر زور دیں۔

پارٹی کی وفاقی مجلس عاملہ کے دوروزہ اجلاس کے اختتام پر جاری ہونے والے ایک اعلامیے میں، پارٹی کے صدر فانوس گجر، اور جنرل سیکریٹری اختر حسین ایڈووکیٹ نے کہا ہے کہ معاشرے کے وسیع تر حصے میں سیاسی معاملات سے دلچسپی اور جمہوریت، وفاقیت، طبقاتی استحصال، اور پدرسری سماج کے بارے میں سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، لہذا یہ اب تمام ترقی پسند اور بائیں بازو کی قوتوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ متحد ہو کر پاکستان کے محنت کش عوام کو، جو طویل عرصے سے ظلم اور جبر کی چکی میں پس رہے ہیں، انہیں جمود کی قوتوں اور اسٹبلیشمنٹ کے مقابلے میں ایک بامقصد اور حقیقی متبادل سیاسی و معاشی پروگرام دیں۔ پارٹی کی قیادت نے کہا کہ چونکہ 2018 انتخابات کا سال ہے اس لئے اسٹبلیشمنٹ کی روایتی سازش اور جوڑتوڑ اب کھل کر سامنے آ گیا ہے، حکمراں طبقے کی جماعتیں نئے نئے اتحادوں اور "الیکٹیبل" کی ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں ہانکنے اور وفاداریاں تبدیل کرنے کا سلسلہ اپنے انتہا کو پہنچ چکا ہے، دوسری جانب لاقانونیت بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے یہاں تک کہ ملک کا وزیر داخلہ بھی اپنے آپ کو تحفظ دینے میں ناکام ہے چہ جائیکہ عام شہریوں کی زندگی اور آزادی کو یقینی بنایا جائے، جاوید ہاشمی جیسے کھرے سیاستدانوں پر حملے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے مکمل طور پر اپنا اعتبار اور افادیت کھو چکے ہیں۔

پارٹی نے کہا کہ ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگی کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے، اسی وجہ سے پارٹی، "پشتون تحفظ تحریک" (پی۔ٹی۔ایم) کی حمایت کرتی ہے جسنے قبائلی علاقوں، جو دہشت گردی اور اندھا دھند فوجی کاروائیوں کے نتیجے میں تباہ ہو چکے ہیں، میں امن قائم کرنے کا مطالبہ کر کے عوامی مقبولیت اور پزیرائی حاصل کر لی ہے، لہذا عوامی ورکرز پارٹی سندھ بلوچستان اور پاکستان کے دیگر حصوں میں لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے جدوجہد کرنے والی عوامی تحریکوں کی حمایت کرتی ہے اور پی ٹی ایم اور دیگر تمام ایسی تحریکوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ ترقی پسند قوتوں کے ساتھ ملکر شہری آزادیوں کے لئے ایک حقیقی ملک گیر تحریک کو تشکیل دیں۔

پارٹی اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اس طرح کی مقبول سیاسی مزاحمتی تحریکوں کے ذریعے ہی تمام پاکستانیوں کے لئے سماجی انصاف کا حصول ممکن ہے۔ پارٹی نے حالیہ چند عرصے سے ملک کی اعلی عدالتوں کی غیر ضروری عدالتی فعالیت پر تشویش کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ اعلی عدلیہ کے از خود نوٹس (سوموٹو) سے نچلی سطح پر موجود ظالمانہ تھانہ کچہری کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ ہی ریاست کے غیر منتخب شدہ اداروں کو ہر قسم کے غیر قانونی کام اور دست اندازی سے جو کھلی چھوٹ حاصل ہے اس پر کوئی فرق پڑا ہے بلکہ سیکیورٹی اداروں کے غیر قانونی اقدامات پر عدلیہ مکمل خاموش دکھائی دیتی ہے۔

عوامی ورکرز پارٹی سمجھتی ہے کہ پاکستانی ریاست اور معاشرے کے تضادات کو حل کرنے کے لئے طویل المیعاد اقدامات، مشمول نصاب میں اصلاحات اور خارجہ پالیسی میں تبدیلی، خاص طور پر بھارت اور افغانستان جیسے پڑوسی ممالک کے ساتھ دوستی کی ضرورت ہے اور پارٹی اس سلسلے میں جدوجہد کے لئے پرعزم ہے، علاوہ ازیں ریاستی امور اور سیاست میں مذہب کا استعمال بغیر کسی روک ٹوک کے جاری ہے اور یہ معاشرے میں موجود بحرانوں کو مزید بڑھانے کا باعث بنے گا۔ جبکہ اسٹبلیشمنٹ ریاست اور معاشرے کو حقیقی معنی میں جمہوری بنانے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، مرکزی دھارے میں شامل سیاسی جماعتیں جنکو صرف اگلی حکومت میں حصہ لینے سے دلچسپی ہے اور لوگوں کے بنیادی مسائل خاص طور پر صحت، تعلیم، روزگار، اور صاف پینے کے پانی، کو حل کرنے سے کوئی سروکار نہیں، ان سے بھی پوچھنا اور انکا احتساب کرنا بھی ضروری ہے، مثال کے طور پر سندھ میں پانی کا بحران سنگین ہو گیا ہے، زیر زمین پانی کی فراہمی مکمل طور ختم ہو گئی ہے۔ پارٹی نے حال ہی میں اعلان کئے گئے عوام دشمن بجٹ کو مسترد کر دیا جسمیں دفاعی اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے زیادہ رقم مختص کی گئی ہے جبکہ صحت تعلیم اور ترقیاتی منصوبوں

کے لئے حسب معمول معمولی رقم رکھی گئی ہے۔

پارٹی نے کہا کہ دنیا بھر میں عالمی سرمایہ دارانہ نظام بحران کا شکار ہے اور قدامت پرستی اور رجعت پسند سیاسی قوتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، عالمی مالیاتی بحران، جسکا آغاز 2007 سے ہوا تھا، میں اضافہ ہوتا جارہا ہے دوسری طرف دائیں بازو کے پاپولیسٹ بیانیہ اور نعرے بازی نے ترقی پسند اور بائیں بازو کے حقیقی متبادل پروگرام کو مکمل طور پر پس منظر میں ڈال دیا ہے، علاقائی اور عالمی تبدیلیوں نے پاکستان میں طویل عرصے سے جاری اندرونی تضادات کو بڑھاوا دیا ہے، یہاں بھی دائیں بازو کے پاپولیسٹ نعرے لگانے والے اور پی ٹی آئی جیسی ایک متبادل کا نعرہ لگانے والی پارٹی عوام کو مزید بحران کی طرف لے جارہی ہے۔ پارٹی یہ سمجھتی ہے کہ صرف ایک حقیقی بائیں بازو کی سیاسی جماعت ہی ایک متبادل کے طور پر مقامی اور بین الاقوامی تضادات کو حل کرسکتی ہے اور پاکستان اور دنیا بھر کے عوام کو استحصال اور ہر قسم کے جبر سے جنات دلا سکتی ہے اور ہر قسم کی آزادی فراہم کرسکتی ہے اسی تناظر میں عوامی ورکرز پارٹی نے پاکستان میں موجود بائیں بازو کی تمام سیاسی قوتوں کو متحد کرنے کے لئے ایک قدم اٹھایا ہے اور اس سلسلے میں تمام ترقی پسندوں اور بائیں بازو کی سیاسی جماعتوں اور گروپوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ آئیں اور اس عمل میں شریک ہوں۔ (فرمان علی)

گلگت بلتستان آرڈر 2018 پر عوامی ورکرز پارٹی کا موقف

عوامی ورکرز پارٹی حال ہی میں اسلام آباد کی جاب سے نافذ کئے گئے جی بی آرڈر 2018 کو رد کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ متنازعہ علاقے کو مکمل اندرونی خودمختاری دی جائے، اے ڈبلیو پی کی رائے میں پاکستانی کے حکمرانوں کی جانب سے اس متنازعہ خطے پر ستر سالوں سے جاری نوآبادیاتی نظام کو نہ صرف قائم ودائم رکھنے بلکہ اسے مزید تقویت پہنچانے اور اس خطے کے وسائل پر اپنی گرفت مضبوط بنانے کی ایک اور چال ہے۔

پارٹی نے حال ہی میں اپنی وفاقی مجلس عاملہ کے دوروزہ اجلاس منعقدہ کراچی میں گلگت بلتستان کے مسائل اور وہاں کی ایک ترقی پسند سیاست اور حقوق کے لئے چلنے والی مزاحمتی تحریکوں کا بھی جائزہ لیا۔ پارٹی سمجھتی ہے کہ ان مصنوعی اقدامات سے اب گلگت بلتستان کے عوام کو مزید نہیں بہلایا جاسکتا۔، گلگت بلتستان کے بیس لاکھ عوام گزشتہ ساتھ دہائیوں سے اپنے بنیادی انسانی، جمہوری، سیاسی، اور معاشی حقوق سے محروم ہیں اور بدترین ریاستی جبر وتشدد کے باوجود وقتاً فوقتاً اپنے غصب شدہ حقوق کے لئے آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ عوامی ورکرز پارٹی افسر شاہی کے تیار کردہ اس حکم نامے سے، جسے عوام پر مسلط کیا جارہا ہے اور جس سے گلگت بلتستان میں قومی وطبقاتی لڑائی تیز ہوگی ہم اس حکم نامے کے خلاف چلنے والی تحریک کی حمایت کرتے ہیں مگر یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اس قسم کی تحریکوں کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا متبادل پروگرام واضح ہو اور اسکی قیادت مخلص، عوام دوست، اسٹبلشمنٹ مخالف اور ترقی پسند رہنماؤں کے ہاتھ میں ہو، ماضی کے تجربے سے ثابت ہوا کہ جابرانہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد اس لئے ناکام ہوئی کیونکہ اس کی قیادت ان سیاسی، مذہبی رہنماؤں کے ہاتھوں میں رہی، جو اسٹبلشمنٹ سے براہ راست یا بالواسطہ ہدایات لیتے رہے ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ گلگت بلتستان کے محنت کش عوام کو اس جدید نوآبادیاتی نظام سے اس وقت نجات مل سکتی ہے جب وہ پانچواں صوبہ اور آزاد کشمیر طرز کے کنٹرولڈ نظام کا مطالبہ ترک کردیں اور اندرونی طور پر مکمل خودمختاری کا مطالبہ کریں اور اپنا متبادل انقلابی پروگرام تیار کریں تاکہ گلگت بلتستان پر مسلط نوکر شاہانہ جدید نوآبادیاتی نظام کے خلاف چلنے والی تحریک کی سمت درست ہو اور محنت کش عوام کی حکومت قائم کی جاسکے۔ نہ کہ اشرافیہ اور مراعات یافتہ طبقہ کی عوامی ورکرز پارٹی سمجھتی ہے کہ جی بی آرڈر ۲۰۱۸ء کے نفاذ کے بعد موجودہ اسمبلی کے وجود کی کوئی قانونی واخلاقی جواز نہیں رہتا لہذا موجودہ اسمبلی کو توڑ کر نئی آئین ساز اسمبلی کے لیے انتخابات کرائے جائیں جو گلگت بلتستان کے اپنے ایک آئین اور مقامی اسمبلی اور عوام کے حقوق کو تحفظ دے سکے۔

عوامی ورکرز پارٹی نے اپنے قیام کے پہلے دن سے ہی گلگت بلتستان کے آئینی وسیاسی مسئلہ کو اپنی سیاست اور پروگرام کا ایک اہم جز بنایا ہوا ہے اور ان کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کررہی ہے اور اس کی پاداش میں ہمارے مرکزی رہنما بابا جان سمیت ایک درجن سے زیادہ کارکن زنداں کی دیواروں کے پیچھے عمر قید کی سزا کاٹ رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان میں ترقی پسند سیاست اور بالخصوص عوامی ورکرز پارٹی کو نوجوانوں میں بہت پذیرائی ملی ہے ہم ایک بار پھر اس عزم کا اعادہ کرتے ہیں کہ ریاستی جبر عالمی سرمایہ دارانہ اور سامراجی نظام قومی صنفی اور طبقاتی جبر واستحصال اور مذہبی جنونیت اور انتہاپسندی کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا ساتھ دیں گے۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ۱۔ گلگت بلتستان آرڈر ۲۰۱۸ء کو واپس لیا جائے۔ ۲۔ گلگت بلستان کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اندرونی خودمختاری دی جائے۔ ۳۔ مرکز کے پاس صرف کارجہ دفاعی امور، مواصلات اور کرنسی ہو اور باقی تمام اختیارات مقامی منتخب اداروں کو منتقل کیے جائیں نہ کہ نوکر شاہی کو۔ ۴۔ آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کروائے جائیں جس کا مینڈیٹ جی بی کے لیے ایک آئین بنائے تاکہ منتخب اداروں اور لوگوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہو۔ ۵۔ آزاد عدلیہ کے قیام کو یقینی بنایا جائے اور اس میں مقامی ججز کو تعینات کیا جائے ۶۔ عدلیہ میں ججوں کی تعیناتی ایک آزاد وخودمختار جوڈیشل کونسل کے ذریعے میرٹ پر کی جائے۔ ۷۔ علاقے سے تمام کالے قوانین کا خاتمہ کیا جائے۔ ۸۔ تمام سیاسی قیدیوں کو فی الفور رہا کیا جائے اور ۹ لوگوں کی زمینوں اور قدرتی وسائل پر قبضہ کا سلسلہ بند کیا جائے۔

لاڑکانہ میں پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیرِ اہتمام یومِ مئی کے جلسے سے عوامی ورکرز پارٹی اور فیڈریشن کے عہدیداران کا خطاب

ٹریڈ یونین الائنس کے زیرِ اہتمام سانگھڑ میں یومِ مئی کی ریلی سے عوامی ورکرز پارٹی کے مرکزی اور ضلعی عہدیداران کا خطاب

دیپال پور ضلع اوکاڑہ میں یوم مئی کے جلسے سے عوامی ورکرز پارٹی پنجاب کے رہنماؤں کا خطاب

عوامی ورکرز پارٹی لاہور کے زیرِ اہتمام یوم مئی پر ایک ریلی کا انعقاد

شکاگو کے شہدا کو سرخ سلام

ہم محنت کش جگ والوں سے جب اپنا حصہ مانگیں گے
اک کھیت نہیں اک دیس نہیں ہم ساری دنیا مانگیں گے

یکم مئی محنت کشوں کا عالمی دن